ماہنامہ

اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم

تمکین ۱۹۸۰

جنوری، فروری ۸۷

۱۴۰۲

غلام مصطفیٰ

اداریہ:-

انسانیت کے قافلہ نے کرّہ ارض پر بے شمار بہار آفریں مناظر دیکھے اور ان گنت ویرانیوں کا مشاہدہ کیا۔ بہاریں آئیں گلفشانیاں اور عطر بیزیاں کرنے کے بعد خزاں کا شکار ہو گئیں اور ایسی حسرتناک صدائیں فضا میں چھوڑ گئیں کہ ع

رومئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

ظاہر پرست نگاہیں محسوسات کے تنگ دائرے سے آگے نہ بڑھ سکیں اور گل و بلبل کے جنت نگاہ اور فردوس گوش میں کھو گئیں۔ مگر حقیقت بین نگاہیں ہمیشہ ابدی حقائق پہ جمی رہیں اور اس حقیقت کا کھوج لگایا کہ دل کی دنیا میں بھی بہار آیا کرتی ہے۔ روح کی مملکت بھی ویران ہو جایا کرتی ہے۔ انسانیت کو بھی گھُن لگ جایا کرتا ہے۔ باطن بھی خزاں کا شکار ہو جاتا ہے مگر خالق انسان یہ حالت ہمیشہ نہیں رہنے دیتا جب بھی مایوسی کی گھٹا چھائی ابر رحمت اُمڈ آیا اور باران رحمت کا نزول ہونے لگا۔ روحانی بہار و خزاں کے یہ موسم بدلتے رہے تا آنکہ روح کی دنیا کو سدا بہار بنانے کا فیصلہ ہوا اور عرب کے ریگزار سے روح پرور جھونکے آنے لگے بہار کی آمد آمد ہوئی۔ کفر و شرک کے جھاڑ جھنکار سے انسانیت کا سینہ چھلنی ہو رہا تھا۔ اُس جانِ بہار نے اس پر ایسا ہلّہ بولا کہ دیکھتے ہی دیکھتے توحید اور معرفت باری کا دور دورہ ہونے لگا۔ جس جنگل میں درندے بستے تھے قتل و غارت لوٹ کھسوٹ، فتنہ و فساد سے انسانیت نڈھال ہو رہی تھی وہاں باہمی الفت و محبت اخوت و مؤدت کے سدا بہار پھول کھلے اور کھلتے ہی چلے گئے۔ اور اس ریگزار کا ذرّہ ذرہ گویا جھوم جھوم کر کہنے لگا۔ ع

تیرے آنے سے رونق آ گئی گلزارِ ہستی میں

اس رحمت عالم۔ جانِ بہار نے ۲۳ برس میں وہ انقلاب برپا کر کے دکھایا جو ۲۳ صدیوں میں بھی ممکن نہ تھا۔ مگر یہ کوئی وقتی منصوبہ نہیں تھا۔ کوئی عارضی تحریک نہیں تھی بلکہ ابدی پروگرام تھا۔ چنانچہ رحمتِ دو عالمؐ نے سب سے زیادہ قوت اس بات پر صرف کر دی کہ ایک ایسا معاشرہ تیار کیا جائے جو رہتی دُنیا تک کے لئے ایک مثال ہو نمونہ ہو، معیار ہو، روشنی کا مینار ہو اور حق یہ ہے کہ اس محسنِ انسانیتؐ نے یہ ناممکن کام کر کے دکھایا جس کی شہادت تاریخ سے کیا پوچھو گے اس سے پوچھو جس نے اس کو مہم پہ بھیجا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ تمہیں اس کی شہادت

مطمئن کرسکے یا نہیں مگر شہادت موجود ہے کہ:

والسبقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔

بلکہ اس مقدس جماعت کی پیدائش سے پہلے وہ آنکھ جس نے طور پر جلوہ ربانی دیکھا تھا یہ نظارہ بھی دیکھ رہی تھی چنانچہ بے اختیار یہ شہادت کے الفاظ زبان پر آگئے۔

وہ خدا سینا سے نکلا، سعیر سے چمکا اور فاران ہی کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ۔ (کتاب پیدائش)

تم اس محسنِ انسانیت اس رحمتِ عالم اس جانِ بہار کی بہار آفرینی کی یاد ہر سال مناتے ہو۔ مگر اپنے ماحول کو آنکھیں کھول کر دیکھو کیا آج کی مہذب جاہلیت اس قدیم جاہلیت سے کسی طرح مختلف ہے؟ آج تو انسان کی ساری دوڑ دھوپ، تمام جدوجہد کا محور اور مرکز صرف پیٹ ہے۔ اعتقادی اور عملی قدروں میں ان اقدار کا نشان ڈھونڈے نہیں ملتا جو اس رحمتِ عالم نے پیدا کر کے معراج تک پہنچائی تھیں پھر سوچو کہ اس جانِ بہار کی یاد منانے کا تعمیری، افادی اور حقیقی طریقہ کیا ہے کیا یہی نہیں کہ ہر شخص اپنے اندر جھانک کر دیکھے کہ کس قلب وروح کی گہرائیوں میں اس سے مماثلت یا اس کے اتباع کے کوئی آثار پائے جاتے ہیں پھر ہر شخص اپنے ماحول کو دیکھے اور اپنی بساط بھر ایسی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرے کہ خدا خوفی باہمی خیر خواہی اور فکر آخرت کا نشان ہر عمل سے محسوس ہونے لگے۔ بہار کی یاد تازہ کرنے کا اصلی طریقہ یہی ہے کہ حقیقی پھول کھلیں حقیقی پھل آئیں۔ مگر فیشن یہ ہو گیا ہے کہ کانٹے دار جھاڑیاں لے کر ان پر کپاس کاغذ اور پلاسٹک کے پھول لاکر چپکا دئے جاتے ہیں اور خوش ہو جایا کرتے ہیں کہ گھر میں بہار آئی ہے۔ اس خود فریبی، خدا فریبی اور ابلہ فریبی سے بچنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ سبق پھر سے یاد کرنے کی ضرورت ہے کہ

فقر و شاہی واردات مصطفےٰ است
ایں تجلی ہائے ذات مصطفےٰ است

مولانا محمد اکرم صاحب

اسرار التنزیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اما بعد: افمن شرح اللہ صدرہٗ . . . . . لو کانوا یعلمون ط

سبحان اللہ! خداوند عالم نے اپنی مخلوق کے دو قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے۔ پوری مخلوق میں لوگ دو ہی طرح کے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جنھوں نے اسلام کو اللہ کے احکام کو ذاتِ باری کو خلقِ باری کو تسلیم کیا۔ یا وہ لوگ جنھوں نے ان سے روگردانی کی اور انکار کیا۔ اگر فرق ہے تو ان کے مراتب اور مدارج میں ہے کسی کا ایمان کمزور تر ہے۔ کسی کا اس سے مضبوط اور کسی کا اعلیٰ۔ اسی طرح کسی کا کفر کمزور ہے کسی کا شدید تر۔ بنیادی طور پر دُنیا میں دو ہی طبقے ہیں ایک مومن اور دوسرا کافر۔ ان کے اپنے اپنے مدارج ہیں جو ہمیں مختلف لوگ نظر آتے ہیں۔ اللہ کریم اپنا احسان اس دنیا میں جو بیان فرماتے ہیں وہ ہے افمن شرح اللہ . . . للاسلام . . . من ربہٖ ۔ انسان کی مثال اس دنیا میں ایسی ہے جیسے کسی انتہائی تیز رفتار طیارے کی۔ اس طیارے کی رفتار اسے کسی آسمانی ستیارے پر نگاہ ڈالنے دیتی ہے کہ وہ اس سے اپنا راستہ متعین کرے اس کے لئے طیارے میں ایک مشین لگائی جاتی ہے جسے راڈار کہا جاتا ہے وہ اس کی سمت متعین کرتا ہے۔ وہ اسے ڈگریاں پڑھ کر بتاتا ہے یہاں سے دائیں کو مڑو۔ یہاں سے بائیں کو مڑ جاؤ۔ یہاں سے جہاز کو اوپر اٹھا لو۔ آگے پہاڑ ہے۔ یہاں سے نیچی پرواز کرو فلاں جگہ موسم خراب ہے۔ فلاں جگہ بارش ہو رہی ہے۔ تو یہ راہنمائی لیتا ہوا تیز رفتاری سے اسے آسمانی فضا میں لئے ہوئے پھرتا ہے۔ بغیر کسی خطرے کے۔ اور ایک بدنصیب وہ ہے کہ جس کا طیارہ تو فضائے آسمانی میں چلا گیا۔ لیکن سٹیشن سے اس کا تعلق ٹوٹ گیا۔ اس کا وائرلیس سیٹ بگڑ گیا۔ اس کا راڈار یعنی اس کی رہنمائی کرنے والا آلہ کا تعلق اس سے ختم ہو گیا۔ ٹوٹ گیا۔ اب دونوں کی کیفیات کا ملاحظہ فرمائیں۔ ہیں دونوں ہوائی فضا میں۔ لیکن ایک کا تعلق ایئروڈرام سے کٹ گیا۔ اسے نہ تو ہوائی اڈے کا کوئی پتہ ہے اور نہ ہی کسی شہر کی سمت متعین کر سکتا ہے اور نہ ہی وہ یہ جان سکتا ہے کہ جہاز کسی پہاڑ سے ٹکرا جائے۔ اسے کوئی خبر نہیں کہ میرا انجام کیا ہونے والا ہے۔ بس طرح طرح کے وساوس اور طرح طرح کے خیالات اسے ستا رہے ہیں۔ اب جس کا تعلق اس بتانے والے سے ٹوٹ چکا ہے تو اس غریب ایسی شامت آئی ہے کہ پرواز کرتے ہوئے جہاز میں بیٹھے ہیں

نہار رہا ہے بکھر رہا ہے۔ پریشان حال ہے۔ پتہ نہیں کیا حشر ہوگا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جن لوگوں کا سینہ میں نے قبول اسلام کے لئے کھول دیا ہے۔ فھو . . . . رب۔ گویا ان کا تعلق مرکز سے قائم ہوگیا۔ اور وہ اپنی فلائٹ کو اللہ کریم کی بتائی ہوئی راہنمائی میں لے جا رہے ہیں۔ اس کی کوئی رفتار ہو۔ کوئی جگہ ہو۔ کوئی موسم ہو۔ انہیں بے فکری ہے اطمینان سے بیٹھے ہیں۔ انہیں خبر ہے جہاں جہاں جس طرح سے گزرنا ہے۔ اس طرح کے احکام و اس طرح کے مشورے انہیں موصول ہوتے رہیں گے۔ وہ مزے سے آنکھیں بند کئے ہوئے اسی فضا میں اڑ رہے ہوتے ہیں اور نہایت اطمینان سے نہایت تسلی سے اور دوسری طرف کون ہیں۔ فویل . . . . من ذکر اللہ کس قدر بدنصیب ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں سختی پیدا ہوگئی اللہ کے ذکر سے اور اللہ کی یاد سے غافل ہوگئے اور جن کا تعلق وائرلیس سیٹ سے نہیں ہے۔ اسٹیشن سے اور مرکز سے ٹوٹ گیا۔ اولئک . . . مبین۔ وہ اسی طریقے سے آسمانی فضا میں تیرتے رہیں گے اور بھٹکتے رہیں گے۔ اور اسی فضا میں ان کے ساتھ کا دوسرا صحیح سمت متعین کرے گا اور اسی فضا میں وہ اڑتے ہوئے بھٹک رہے ہوں گے۔ اسی طرح سے قبول حق کرنے والے لوگ اسی زمین پر بستے ہیں انہیں موسموں کی سردیاں گرمیاں گزارتے ہیں۔ یہی غذا کھاتے ہیں۔ اسی طرح سوتے جاگتے۔ رہتے بستے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا تعلق مرکز سے قائم ہے۔ ایک سیٹ ان کے سینے میں لگا ہے اور دوسرے سیٹ کا مرکز گنبد خضرا ہے۔ تو وہ جو ان کا تعلق ہے وہاں سے جو احکام ملتے ہیں انہیں وہاں سے جو راہنمائی ملتی ہے وہ کیا ہے۔ فھو . . . . رب۔ وہ اللہ کا نور ہے۔ وہ ایسی شمع فروزاں ہے۔ جو انہیں بھٹکنے نہیں دیتی۔ اور یہ چیز ان کی زندگی میں اطمینان پیدا کر دیتی ہے۔ عجیب واقعات ملتے ہیں۔ محمد بن قاسم کے متعلق میں نے پڑھا تھا سلیمان بن عبدالملک نے جب اسے ذاتی عناد کی وجہ سے سلیمان اچھا آدمی نہیں تھا۔ بدکار شخص تھا اور اچھا آدمی اسے پسند نہیں کرتا تھا۔ حکومت جب اس کے پاس آگئی تو چوٹی چوٹی کے جرنیل اس وجہ سے تہ تیغ کر دیئے کہ مجھے اچھا نہیں سمجھتے میری ذات کو پسند نہیں کرتے۔

حالانکہ ان کو اس کی ذات سے کوئی پرخاش نہیں تھی وہ تو اس کی بری صفات کے دشمن تھے بجائے اس کے کہ وہ اپنی اصلاح کرتا۔ اس نے اسلامی عساکر کو مایہ ناز جرنیلوں سے محروم کر دیا محمد بن قاسم کو ملتان سے گرفتار کر کے لے جایا گیا۔ حالانکہ اگر وہ چاہتا تو اس کی طاقت ہندوستان میں مرکز سے زیادہ تھی لیکن وہ جذبۂ اطاعت اسے لے گیا۔ اس کے قتل کا فیصلہ ہوگیا۔ صبح اسے قتل ہونا تھا۔ تو رات کو جیل کا داروغہ جس جیل میں وہ بند تھا ساری دنیا سو گئی تو وہ گیا، اور وہ اس ارادے سے گیا کہ اسلام کا قیمتی فرزند ہے۔ صالح نہایت جری بہادر بہترین جرنیل، تو بادشاہ محض ذاتی دشمنی کی وجہ سے اس کی جان کے درپے ہے، میں یہ نیکی کر لوں، میں اسے بچا لوں، وہ اس خیال سے گیا کہ میں دروازہ کھول دیتا ہوں۔ میں اسے جیل سے باہر لے جاتا ہوں پھر بھاگ جاؤں گا۔ یہ بھی کہیں روپوش ہو جائے گا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ جیسے میں جیل کی کوٹھڑی کے سامنے گیا۔ مدہم مدہم سی وہ شمع سی جل رہی تھی۔ دھوئیں سے کمرہ بھرا ہوا تھا ایک کوئلہ محمد بن قاسم کے پاس تھا۔ اور ایک کاغذ تھا۔ وہ نہایت انہماک سے بیٹھا ہوا اس پر لکیریں کھینچ رہا ہے۔ میں نے السلام علیکم کیا۔ اس نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو میں نے پوچھا

کیا کر رہے ہو۔ تو کہنے لگا میں نے ہندوستان کے قلعوں پر اس منجنیق کو آزمایا ہے۔ جو ہمارے پاس ہے۔ اس زمانے کی توپ ہوا کرتی تھی۔ کمان کی طرح بازو ہوتے تھے اس کے اور ایک سنگی ہوتی تھی ڈول کھینچنے کے لیے ہوتی ہے وہ کنوئیں پر سے اس طرح سے وہ اسے کھینچ کر اسے ایک لکڑی سے اٹکا دیتے تھے۔ تو اس پر من ڈیڑھ من کا پتھر رکھ دیتے تھے۔ پھر اس پتھر کو توپ کی طرح فائر کر دیتی تھی۔ وہ قلعوں کی دیواروں کو توڑنے کے لیے ہوتی تھی تو وہ کہنے لگا۔ مجھے فرصت نہیں ملی میں اس منجنیق پر سوچتا رہا اس کا نشانہ صحیح نہیں بیٹھتا تھا انتہائی تجربہ کار انسان کی ضرورت تھی۔ اس میں جو جو نقائص تھے۔ وہ میرے ذہن میں تھے تو میں اب فارغ ہوں۔ حالانکہ صبح کو قتل ہونا ہے تو کہنے لگا میں اب فارغ ہوں تو میں نے سوچا کیوں نہ اس منجنیق کا صحیح نقشہ جو میرے ذہن میں ہے وہ میں کسی کاغذ پر منتقل کر دوں تاکہ عساکر اسلام کے کام آئے۔ تو کہنے لگا کہ آپ کو تو صبح قتل ہو جانا ہے جلاد تیار ہے آپ کا سر کاٹ دیا جائے گا۔ تو آپ کو اس منجنیق سے کیا حاصل۔ تو کہنے لگا۔ ایک میرے مرنے سے اسلامی لشکر تو نہ مر جائیں گے۔ ان کے کام تو آئے گا۔ جو مجاہد راہِ خدا میں جہاد کریں۔ تو یہ اطمینان کہاں سے ملتا ہے اس نے اپنی پیشکش کر میں یہ چاہتا ہوں کہ جیل کھول دوں۔ آپ چلے جاؤں تو فرمانے لگے اگر میں نے مرکز کی نافرمانی کرنی ہوتی اگر مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مجھے اطاعتِ امیر پر مجبور نہ کر دیتے تو میں ہندوستان میں رہ کر دارالخلافہ سے ٹکر لینے کی جرأت رکھتا تھا۔ لیکن میں اپنی جان کے لیے مسلمانوں کا خون ضائع کرنا۔ حلال نہیں سمجھتا تھا۔ اگر اللہ نے میرے لیے وقت مقرر کر دیا ہے۔ اور میں نے اس دنیا سے جانا ہی ہے۔ تو ہزاروں فساد بپا کرنے کے بعد پھر بھی مرنا ہو گا۔ اور

اگر اس کی طرف سے میری عمر دراز ہے۔ تو مجھے کوئی نہیں مار سکتا۔ تو یہ اطمینان کیا تھا۔ اس کا جو تعلق تھا۔ وہ آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم تھا۔ اسے خبر تھی اسے علم تھا۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں صحیح سمت میں پرواز کر رہا ہوں۔ اور میں بحفاظت اپنی جگہ پر اُتر جاؤں گا۔ لینڈ کر سکوں گا۔ اور ایک دوسری طرف ہے فویل . . . من ذکر اللہ واٹے ہے حسرت ہے۔ ان لوگوں پر جن کے دلوں میں دنیا کی یاد تو ہے عیش و آرام کی یاد تو ہے۔ وجود کے آسائشوں کی یاد تو ہے دولت سے محبت تو ہے لیکن اگر دلوں کے دروازے بند ہو گئے ہیں تو صرف یادِ الٰہی کے لیے سارے کاموں کے لیے ان کے پاس وقت ہے، مکان بنانے کے لیے وقت ہے، دولت کمانے کے لیے وقت ہے۔ دوستی دشمنی کرنے کے لیے وقت ہے کہیں آنے جانے کے لیے وقت ہے۔ لیکن جب اللہ کی یاد کی بات آتی ہے تو انہیں وقت نہیں ملتا۔ اولٰئک . . . مبین۔ یہ وہ پائلٹ ہے جو مرکز سے کٹ کر فضائے آسمانی میں بھٹک رہے ہیں کوئی حد نہیں ہے ان کی گمراہی کی۔ کوئی سمت متعین نہیں ہو سکتی۔ ڈور کٹا ہوا پتنگ ہے اس کی کوئی جگہ نہیں جس پتنگ کی ڈور کٹ جائے اس کی کوئی جگہ متعین نہیں کسی جھاڑی سے اُلجھے گا۔ کسی تالاب میں گرے گا یا کہیں بچوں کے ہاتھ لگ جائے گا۔ جو اسے بے دردی سے نوچیں پھاڑیں گے فضا میں تیرنا اُسی پتنگ کا کام ہے جس کی ڈور اُڑانے والے کے ہاتھ میں ہو تو فرمایا یہ کٹی ہوئی پتنگیں ہیں اولٰئک . . . مبین۔ یہ ہوا کے جھکڑوں کے تھپیڑوں کے رحم و کرم پر ہیں وہ انہیں جہاں لے جائیں۔ ایک طرف محمد بن قاسم جیسے لوگ ہیں اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جن کے دروازوں پر فوجیں پہرہ دیتی ہیں۔ دور دور تک کسی پرندے کو پَر مارنے نہیں دیتیں لیکن اسکے

باوجود انتہائی اندھیرے کمرے میں بھی وہ موت سے ڈرتے ہوتے ہیں۔ شاید کوئی سپاہی ان پر پہریدار ہی گولی چلا دے۔ اس کی وجہ کیا ہے جو دل ہے وہ اصل کام سے بھٹک گیا ہے اصل کام سے ہٹ گیا ہے اللہ نزل احسن الحدیث۔ اللہ کریم وہ ذات بابرکات ہے جس نے سب سے عمدہ کلام نازل فرمایا کلام الملوک ملوک الکلام۔ بادشاہوں کی بات باتوں کی بادشاہ ہوا کرتی ہے۔ اللہ جل شانہٗ کی شان عظیم ہے۔ جیسے اس کی ذات وراء الوراء ہے۔ اسی طرح سے اس کی کلام جو ہے نہایت عمدہ ہے بے نظیر ہے مخلوق کی کوئی کلام کوئی اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ کتاباً متشابہا۔۔ کتاب ہے برابر ہے ہدایت کے لیے اس کا ہر لفظ اور بار بار دہرائی جاتی ہے بات کیا ہے؟ اس میں کیا دہرایا جاتا ہے۔ جہاں سے آپ کسی بات کو چھیڑ لیں جس پارے کا کوئی ورق اُلٹ لیں۔ کسی رکوع کی کوئی آیت پڑھ لیں۔ مفہوم اور نتیجہ ایک ہی بات کو دہراتی ہوگی وہ آیت کہ اے بندے اپنے مالک سے تعلق پیدا کر۔ اسی ایک بات کو الم سے لے کر والناس تک ہزاروں بار دہرایا ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا ہے وہ کتاب ہے۔ مثانی۔ جو مڑ مڑ کر اپنے مقصود کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ بار بار۔ ایک دفعہ کہہ کر بے فکر نہیں ہو جاتی۔ جہاں کوئی تمثیل بیان کرتی ہے تو مراد ہوتی ہے۔ مخلوق کو اللہ سے پیوستہ کرنا۔ جہاں تاریخ بیان کرتی ہے۔ تو مقصود ہوتا ہے۔ مخلوق کو خدا کے ساتھ جوڑنا جہاں کوئی پیشن گوئی بیان فرماتی ہے تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا کی بچھڑی ہوئی اور ٹوٹی ہوئی مخلوق اللہ سے جڑ جائے۔ اور جن کے دلوں میں نگاہِ الٰہی کی اُمید ہے اور جنہیں اپنے رب سے حیا آتی ہے۔ خشیت کیا ہے؟ خوفِ الٰہی کیا ہے ایک خوف ہوتا ہے، درندے کا دشمن کا یہ گولی مار دے گا۔ درندہ مجھے چیر کھائے گا پھاڑ کھائے گا وہ خوف یہاں نہیں ہوتا خشیت وہ خوف نہیں ہے خشیت اس خوف کو کہتے ہیں۔ جیسے کوئی انتہائی لاڈلہ بچہ گھر سے نیا سلوا کر اس کی والدہ اس کو باہر نکلنے کو بھیجے اور وہ گلی میں جا کر لباس خراب کر دے۔ تو آتے ہوئے ڈرتا بھی ہے اور یہ جانتا بھی ہے کہ والدہ میرے گندے لباس کو برداشت نہ کر سکے گی۔ لیکن مجھے دُھلا ہوا یا نیا کپڑا مہیا کر دے گی خشوع یا خشیت جو ہے وہ یہ خوف ہے۔ کہ اللہ کا بندہ اللہ پر اُمید رکھتا ہے میری غلطیوں کو بھی معاف کر دے گا۔ اور میری بہترین راہنمائی بھی فرمائے گا مجھے اپنے قرب سے بھی نوازے گا۔ وہ خوف طبعی مراد نہیں ہے جس میں سراسر نقصان ہی کی اُمید ہو۔ تو فرمایا جن لوگوں کا تعلق اللہ کریم سے ہے جنھیں اللہ کریم پر اعتماد ہے۔ جب ان کے نقائص کی ان کی غلطیوں کی جب ان کی کوتاہیوں کی نشان دہی کرتا ہے قرآن کریم تقشعر۔۔۔ جلود الذین ان لوگوں کی الذین۔۔ ربھم۔ ان لوگوں کی جن کے اپنے پالنے والے کے ساتھ یہاں صفتِ ربوبیت کو استعمال فرمایا ہے۔ رب وہ جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت ہر وقت پوری فرماتا ہے۔ والدہ کی تو ایک مثال ہے۔ ورنہ اس کی ربوبیت انتہائی وسیع ہے۔ تو جن لباسوں کو ہم نے خراب کر دیا ہے۔ جن اوقات کو ہم نے ضائع کر دیا ہے۔ یہاں ہم سے کوتاہیاں اور غلطیاں ہوئی ہیں اس میلے لباس کو ہم سے اتارنا بھی اسی کا کام ہے اس کی جگہ نیا عطا فرمانا بھی اسی کا کام ہے۔ اس پر اگر ناراضی بھی ہو گا اگر کوئی واپس اس بارگاہ میں چلا جائے تو اس پر ناراضگی بھی شفقت ہی کا رنگ لیے ہوئے ہو گی۔ اس پر جو تہدید آمیز کلمات ہے

جائیں گے۔ اُن کے بھی ایک ایک لفظ سے رحمت و شفقت کے دریا بہتے ہوں گے۔ اور بد نصیب تو وہ ہوں گے جو لباس بھی تار تار کرے۔ اور اپنی مربی سے روگرداں بھی ہو جائے۔ تو کون ہے اس جیسا۔ اور جسے وہ لباس نیا مہیا کر دے گا اس کے دل کو منور کر دے گا۔ اُس کے وجود میں یادِ الٰہی پیدا کر دے گا۔ پھر فرماتا ہے میرے بندے تو وہ ہیں جب میرا نام سنتے ہیں تقشعر منه جلود اُن کی بال بال رونگٹے ہو جاتے ہیں۔ رگ و ریشے پر۔ ہر قطرہ خون پر۔ ہر ذرہ وجود پر ایک کیفیت وارد ہو جاتی ہے ثم تلین . . . من ذکر الله۔ پھر اُن کا بال بال اُن کا دل۔ اُن کا مرکز وہ لوگ اپنے مرکز سے جُڑ جاتے ہیں اُن کا بال بال اللہ اللہ کرتا ہے۔ ان کی کھال ذکر الٰہی کرتی ہے۔ اُن کا گوشت۔ اُن کی ہڈیاں۔ اُن کا خون ذکر الٰہی کرتا ہے اور یہ کیوں ہوتا ہے چونکہ دل اللہ اللہ کرتا ہے اس لئے جب بادشاہ ایک کام کے لئے نکلتا ہے تو ساری رعایا اُس کے ساتھ ہوتی ہے سارے خادم اُس کے ساتھ ہوتے ہیں ساری فوج اس میں اُس کا ساتھ دیتی ہے جب دل ہی تلوبهم الی ذکر الله جب اُن کے دلوں کی کیفیت ہی وہ ہوتی ہے۔ آئی تمہاری یاد تو آتی چلی گئی۔ ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی۔ ذلک هدی الله یهدی به من یشاء اصل انعام تو یہ ہے جنھیں وہ چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ ہدایت یہ ہے کہ انسان کا وجود ذاکر ہو جائے انسان کا لباس ذاکر ہو جائے مزہ تو تب ہے کہ جب وہ کھانے پر بیٹھا ہو تو وہ کھانا بھی ذاکر ہو جائے۔ صحابہ کرامؓ سے بھی ملتا ہے فرماتے ہیں ہم کھانے کو کھانے کے لئے سامنے رکھتے تھے ہم اُس کھانے کی تسبیحیں سُن رہے ہوتے تھے۔ حالانکہ ہم اُس کو کھا رہے ہوتے تھے تو یہ کیا تھا اُس خشیتِ الٰہی کا اثر تھا جو اُن لوگوں کے سینے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھر دی تھی جس سمت بھی اُن کا رُخ ہو جاتا تھا۔ وہ جگہ، وہ کھانا وہ جگہ وہ لباس وہ مکان وہ زمین منور ہوتی چلی جاتی تھی۔

ایک تاریخی شہادت ہے خلوص صحابہؓ کہ دنیا کے بے شمار ممالک میں مشرق سے مغرب تک اللہ کے بندوں نے اللہ کے دین کو پہنچایا۔ پوری پوری ایک ریاست، پوری پوری کفار کی حکومت ایک ایک درویش خستہ تن اور دریدہ لباس پہنے ہوئے چیتھڑوں اور ٹوٹے ہوئے جوتوں والا صرف اللہ کا نام لے کر پہنچا اور اُس نے سٹیٹ۔ ریاستوں کی ریاستوں کو بدل کر رکھ دیا۔ لیکن ہوتا یوں رہا کہ ممالک میں اسلام کو قبول بھی کیا گیا اور پھر کبھی وہاں سے اسلام کو چھوڑ بھی دیا گیا۔ اللہ کی قسم تاریخ کو اُٹھا کر دیکھو جہاں جہاں کلمہ توحید کو صحابہؓ نے پہنچایا ہے اُس زمین سے آج تک کوئی طاقت کبھی کلمہ اسلام کو مٹا نہیں سکی اس میں اُن کے خلوص کی برکات شامل تھیں۔ اُن کے وجود کی برکات شامل ہیں۔ اُن کے الفاظ کی برکات شامل ہیں۔ اُن کی توجہ کی برکات شامل ہیں اور ایسی ہیں کہ اُس زمین کو قیامت تک کے لئے انہوں نے وہ روشنی بخش دی۔ کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی گوشے میں اللہ اللہ کرنے والا اس زمین پر ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ جہاں اللہ کے بندے صحابہ کرامؓ کی جماعت جہاں اسلام لے کر گئی ذلک هو الله یهدی من یشاء یہ ہے اللہ کی ہدایت۔ یہ ہے دینِ حق یہ ہے حقیقی اسلام، یہ ہے ایمان باللہ اور یہ ہے اطاعت رسول اللہؐ۔ نہ یہ کہ اسکے ہاتھ پاؤں اللہ کے رسولؐ کی نافرمانی پہ لگے ہوئے ہوں نہ یہ ہے کہ اُس کے دل کا سکون ترکِ سُنت میں ہو۔ نہ یہ کہ اسکا

لطف۔ اس کی طلب اور اس کی جستجو، کفار کی پیروی میں بلکہ اس کے ہاتھ، پاؤں، چہرہ، وجود، دل، دماغ نہ صرف تابع سنت کے ہو بلکہ وہ سارے ذاکر ہوں۔ جب ساری کھال ہی ذاکر ہو گئی تو اس کے اندر کونسی جگہ خالی رہ جائے گی ذکر الٰہی سے جب بال بال ذاکر ہو گا۔ فرمایا جب یہ بات ہو جاتی ہے تو پھر بات بن گئی۔ اصل ہی ہدایت ہے اللہ کریم کی۔ جتنے جتنے مدارج میں جتنا جتنا قرب ہے۔ وہ اس میں ہے کمزور ہے کوئی اس سے قوی ہے کوئی اس سے بالاتر ہے کوئی اس سے اقرب ہے لیکن بات سب کی ایک ہی ہے سب ایک ہی صف میں کھڑے ہیں ومن یضلل اللہ فما لہٗ من ھاد اور جس نے رب ہی سے تعلق توڑ لیا۔ تو دنیا میں کوئی ایسا دوسرا وائرلیس سٹیشن نہیں ہے یہ کنٹرول ٹاور نہیں ہے جو اسے پھر اور کوئی دوسری طرف سے پیغام موصول ہو جائے گا کہ فلاں جگہ (LAND) کر لو یہ ناممکن ہے۔ یہ ہو نہیں ہو سکتا۔ پھر اس کی قسمت میں بھٹکنا ہے جب تک اس کا تیل ختم ہو جائے گا تو اسے کسی (CRASH) کرنا ہے چور چور ہونا ہی اس کی قسمت میں لکھ دیا ہے۔ کوئی دو دن پہلے کوئی چار دن بعد۔ جیسے جیسے کسی کا وقت آئے گا۔ سمائی اللہ کے مقابلے میں کوئی نہیں کر سکتا افمن یتقی ......

عذاب یوم القیامۃ ... ما کنتم تکسبون

انہوں نے کمال کیا ہے۔ کہ اپنے چہروں کو عذاب سے بچانے کے لئے ڈھال بنا رہا ہے۔ عذاب الٰہی سے بچانے کے لئے اللہ کی دوزخ کی آگ کا مقابلہ کرنے کے لئے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے چہرے ہمارے یہ تعلقات ہمارے یہ دنیاوی مراسم ہماری یہ قیل و قال اور ہمارے یہ افعال یہ ڈھال بن جائیں گے کبھی نہیں ہو سکتا وقیل للظالمین ذوقوا ما کنتم تکسبون حکم دیا جائے گا ان لوگوں کو جو احکام الٰہی کو ٹھکراتے ہیں کہ جو جو اعمال تم نے کئے تھے۔ ہر ہر عمل کا علیحدہ علیحدہ ذائقہ چکھو ہر فعل پر ایک نتیجہ مرتب ہو گا جتنی طرح کے۔ جتنی اقسام کی غلطیاں ہوں گی جتنی اقسام کی نافرمانیاں ہوں گی۔ جتنی اقسام کے گناہ ہوں گے اتنی ہی کیفیات مختلف ہوں گی عذاب کی اور بیک وقت ہوں گی۔ اور جتنی طرح کی اطاعت الٰہی ہوں گی جتنی طرح کا عمل بالسنت ہو گا۔ جتنی طرح کا ذکر ہو گا۔ تلاوت ہو گی ذکر قلبی ہو گا۔ ذکر لسانی ہو گا۔ ذکر عمل ہو گا۔ دماغی طور پر جتنا تفکر اور تدبر کرے گا جتنی طرح کی عبادت ہوں گی اتنی طرح کی لذات بھی ہوں گی تو فرمایا کسی کا چہرہ کسی کی وجاہت کسی کی خاندانی یا نسلی عظمت کسی کا مال و دولت کا مالک ہونا کسی کا فوجوں اور حکومتوں کا مالک ہونا قطعاً ڈھال نہیں بن سکے گا کہ وہ عذاب الٰہی کو اس سے دور کر دے یا رد کر دے۔

کذب الذین من قبلھم۔ ان سے پہلے لوگوں نے بھی انکار کر کے تجربہ کر کے دیکھ لیا۔ عقلمند وہ ہوتا ہے جو دوسروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے وہ عقلمند نہیں ہے جو لوگوں کے لئے خود درس عبرت بن جائے۔ اپنے سے پہلوں کو دیکھو قرآن کریم فرماتا ہے تمہارے سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے انکار کیا۔ انہوں نے طاقتیں بنائیں انہوں نے دولت جمع کی انہوں نے اقتدار حاصل کیا اور اپنی پوری طاقت کو اللہ کریم کے عذاب سے بچنے پر صرف کر دیا بے شمار انتظام کئے جاسوس پھیلائے فوجیں مقرر کیں۔

بے شمار انتظام کئے - کوئی مجھے نقصان نہ پہنچا سکے لیکن ہُوا کیا ! اتاھم العذاب من حیث لا یشعرون - اُس جگہ سے اُن پر عذاب نازل ہو گیا جہاں کا انہیں گمان بھی نہ تھا - کوئی تدبیر انہیں اللہ کی گرفت سے بچا نہ سکی - آدم سے لے کر آج تک کے دور سے ہر ایک انسان کو دیکھو - جو بھی نافرمانی کرتا ہے اس کے باطن میں ایک خدشہ پیدا ہو جاتا ہے اندر اس کے ایک اندر سے صدا دیتا ہے کہ تیرا تعلق کٹ چکا ہے اب تو تباہ ہو گا پھر ایک اطاعت الٰہی کے سوا باقی جتنے ذرائع ہیں وہ استعمال کرتا ہے - فرعون نے ہزاروں بچے نہ قتل کر دیے تھے اپنی تباہی سے بچنے کے لئے اسی طرح نمرود نے اپنی تباہی سے بچنے کے لئے آگ میں پھینکوا دیا کہ قصہ ہی ختم ہو جائے - اسی طرح اہالیان مکہ نے کفار مکہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے اور آپ کو معاذ اللہ قتل کرنے کی کونسی کسر باقی چھوڑی تھی - ہر کافر - ہر بدکار، ہر بھٹکا ہوا راہی اپنی حفاظت کے لئے تمام ذرائع استعمال کرتا ہے - لیکن اللہ کریم فرماتا ہے میں بھی اُس جگہ سے اُس پر مصیبت پر نازل کرتا ہوں جہاں کا اُسے گمان بھی نہیں ہوتا -

اگر وہ خسرو پرویز جیسا عظیم بادشاہ ہو تو شیرویہ جیسا بیٹا اُس پر مسلط کر دیتا ہوں بیٹوں کا کام تو باپ کی چوکیداری کرنا ہوتا ہے - لیکن جب اللہ کی گرفت آتی ہے - تو وہی بیٹے اُس گردن پر تیغ چلا دیتے ہیں اتٰھم العذاب من حیث لا یشعرون ... فی الحیوٰۃ الدنیا پھر یاد رکھو اللہ کی نافرمانی کا مدار صرف اُخروی عذاب پر نہیں ہے - اللہ کریم فرماتا ہے - اللہ انہیں چکھاتا ہے - ذلت اور رسوائی اس دنیاوی زندگی میں بھی وہ ذلیل ہو جاتے ہیں - لوگوں کی طعنوں اور تشنیع کا نشانہ بنتے ہیں - جو لوگ ساری مخلوق کو اپنے سامنے سربسجود دیکھنے کی تمنا لے کر تختوں پر بیٹھتے ہیں اور کرسیوں کی زینت بنتے ہیں وہی لوگ اُن کے نام پر جوتے برساتے ہیں - انہیں گالیاں دیتے ہیں - انہیں ذلیل کرتے ہیں اور اُن ہی لوگوں کے سامنے اللہ کریم فرماتا ہے میں بدکاروں کو اُس کے معصروں کے سامنے ذلیل و رسوا کرتا ہوں - اور یہ ابتداء ہوتی ہے آخروی عذاب کی ولعذاب الاخرۃ اکبر وہ بہت بڑی بات ہے وہ کہنے سُننے کی نہیں اُس کی سمجھ اُسی کو ہے کہ اللہ معاف فرمائے جو وہاں چلا گیا نا سمجھ اُس کو آئے گی وہ کہنے سُننے سے بالاتر ہے ولعذاب الاخرۃ اکبر - آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے - لو کانوا یعلمون کیا ہی اچھی بات ہوتی کہ یہ لوگ اپنی معلومات درست کر لیتے - یہ جان جاتے اس بات کو کہ عذاب کیا ہے ثواب کیا ہے حقیقت کیا ہے اور گمراہی کیا ہے کاش کہ ان کے پاس وقت تھا انہیں فرصت ملی تھی اور انہیں اب ہدایت مل سکتی تھی اگر یہ اُس کے خریدار بن جاتے تو -

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حافظ عبدالرزاق ایم اے اسلامیات

مسلسل

چراغِ مصطفویؐ

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الامر ثلثۃ امر بیّن رشدہٗ فاتبعہ وامر بیّن غیّہٗ فاجتنبہ وامر اختلف فیہ فکِلْہُ الی اللہ عزّ وجل (مشکوٰۃ)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کام تین قسم کے ہیں۔ ایک "وہ جن کا ہدایت اور حق ہونا واضح ہو سو ایسے کام کرنے کی پوری پوری کوشش کرو دوسرے وہ کام جن کا غلط اور گمراہی ہونا واضح اور ظاہر ہو سو ایسے کاموں کے قریب بھی نہ جاؤ تیسرے وہ کہ (دونوں پہلوؤں سے کوئی پہلو واضح نہ ہو) جن میں شک شبہ واقع ہو سو ایسے کاموں کا معاملہ اللہ تعالےٰ کے سپرد کر دو"

حضور اکرمؐ نے اس مختصر سی حدیث میں ایک ایسی حقیقت بیان فرمائی ہے کہ ہمیں اپنی روزمرہ زندگی میں عملاً اس کا مشاہدہ ہوتا ہے اور قدم قدم پر ہوتا ہے فرق اتنا ہے کہ ہم ایسے موقعوں پر فیصلہ کرنے کے لئے دنیوی مفاد کا پیمانہ ہی استعمال کرتے ہیں۔ کچھ کام ایسے ہوتے ہیں کہ ہم پورے شرح صدر اور بڑے اطمینان سے وہ کام کرتے ہیں اور کئی دوسرے ایسے کام ہوتے ہیں کہ ہم کسی سے مشورہ کرنا ضروری نہیں سمجھتے بلکہ انہیں مُضر سمجھ کر انہیں ترک کر دیتے ہیں مگر بے شمار کام ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ہم ان کے کرنے یا نہ کرنے میں تردّد محسوس کرتے ہیں کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے بڑے غور و خوض کے بعد اگر فیصلہ کر بھی لیتے ہیں تو اس کا انداز کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ:

(ا) ہمیں فوائد زیادہ نظر آتے ہیں اور نقصان کم لہذا ہم اسے اختیار کر لیتے ہیں۔

(ب) نقصان زیادہ نظر آتے ہیں فوائد کم اس لئے ہم اسے ترک کر دیتے ہیں۔

(ج) نقصان زیادہ نظر آتے ہیں مگر لذت محسوس ہوتی ہے لہذا کر لینے میں ہی لطف آتا ہے۔

(د) نقصان ہی نقصان محسوس ہوتا ہے مگر محض

لذت کی خاطر وہ نقصان اُٹھانا قبول کر لیتے ہیں۔
یہی صورت دین کے معاملے میں بھی پیش آتی ہے جو نفسیات انسانی کا تقاضا ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ دین کے مسائل جو سراسر تمہاری عملی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں ان میں بھی یہی تین صورتیں پیش آسکتی ہیں اور آتی ہیں۔

اوّل: اوامر ہیں یعنی وہ کام جن کے کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے ایسے کام کرنے میں سستی نہ کرو۔ کیونکہ ان کا مقصود تو اُخروی راحت کا حصول ہے مگر دنیوی آرام بالخاصیت یا "جھونگے" میں ملتے رہتا ہے۔ ایسے اُمور کا ہدایت ہونا واضح ہے

دوم:۔ وہ کام جن سے روکا گیا ہے۔ ان سے رُک جانا ہی ضروری ہے کیونکہ ایسا کرنے سے اُخروی مصائب سے نجات مل سکتی ہے اور شریعت کا منع کرنا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ گمراہی کے کام ہیں۔ اور یہ دونوں پہلو مقصد کی حیثیت رکھتے ہیں اور کامیابی کا راز اسی میں ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

فمن زحزح عن النار واُدخل الجنۃ فقد فاز "یعنی جو آگ سے بچا لیا اور جنت میں داخلہ مل گیا وہ جیت گیا"

سوم: وہ اُمور ہیں جو شریعت نے نہ تو فرائض میں شمار کیے گئے نہ ممنوعات کی فہرست میں درج کیے ہیں ایسے کاموں کے متعلق تین صورتیں ممکن ہو سکتی ہیں۔

(ا) ہر شخص اپنے علم اور عقل کے مطابق غور کر کے خود فیصلہ کرنا چاہے جیسے دنیوی امور میں کرتا ہے۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اس سے عہدہ برا ہونا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔

(ب) جب شریعت نے اس کام کے کرنے یا اس سے رُکنے کا کوئی واضح فیصلہ نہیں دیا تو ظاہر ہے کہ یہ مقصودی چیز نہیں لہذا اس کا نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

(ج) ایسے اُمور کے متعلق شریعت نے کیا فیصلہ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں صورتوں میں سے بہتر صورت تیسری ہے اور وہ صورت حضور اکرمؐ نے فرما دی کہ اسے اللہ کے سپرد کر دو۔ اللہ کے سپرد کر دینے کو فقہ کی اصطلاح میں توقف کہتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں ٹھہر جانا، رک جانا اس توقف کی پھر دو صورتیں ہیں:۔

اوّل یہ کہ رُک جانا اور ٹھہر جانا خود ظاہر کرتا ہے کہ آگے قدم نہیں اُٹھانا یعنی اس کام کے کرنے سے رُک جانا ہے۔ اور "نہ کرنا" خود کوئی مثبت پہلو نہیں ہے کہ نہ کرنا بھی کوئی حرکت ہے جس سے رُک جانا مقصود ہے۔ لہذا جہاں توقف کی عملی صورت ہے اس سے یہ مراد ہے کہ

ایسا مشتبہ کام کرنے سے رک جاؤ۔

رہی توقف کی علمی صورت تو اس کا مفہوم کچھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کام کے متعلق نہ تو یہ فیصلہ سناؤ کہ یہ فرض ہے اور نہ یہ فتویٰ دو کہ یہ حرام ہے اس کو علمی اعتبار سے توقف کہیں گے۔

ہر مسلمان کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ حضور اکرمؐ کے ارشادات محض تفریح طبع کے لئے یا صرف ذہنی عیاشی کے لئے نہیں ہوتے ہیں بلکہ حضور اکرمؐ کی زبان اقدس سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ زندگی کے رہنما اصول کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں ہم اپنی ''اسلامی'' زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو بڑی مایوسی ہوتی ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ اس حدیث میں تین حکم دئے ہیں اول یہ کہ فرائض کی پابندی کرو۔ ہم نے فرائض کو یا تو زوائد سمجھ رکھا ہے یا عملاً ان کو وبال سمجھتے ہیں۔

۲۔ دوم کہ گناہوں سے بچو۔ اس پہلو میں حال یہ ہے کہ ہمیں گناہ میں وہ کشش اور ایسی جاذبیت محسوس ہوتی ہے کہ گناہ کرنا ایک خوبی اور کوالی فیکیشن شمار ہونے لگا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ

مسجدیں چھوڑ کے جا بیٹھے ہیں میخانوں میں
واہ کیا جوش ترقی ہے مسلمانوں میں

۳۔ تیسرا حکم یہ کہ جن کاموں کے کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے نہ ان کے کرنے سے منع کیا ہے ایسے کاموں میں توقف اختیار کرو۔ مگر ہم اس میدان میں وہ سرگرمی دکھائی کہ ناطقہ سر بگریباں ہے کہ کیا کہیئے

اول یہ کہ ہم نے توقف اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

دوسرا یہ کہ جہاں تک حکم توقف کے علمی پہلو کا تعلق ہے۔ ہماری ساری صلاحیتیں بیان اور تحریر دونوں پہلوؤں میں ایسے اُمور کے متعلق بیان بازی فتویٰ بازی میں صرف ہونے لگیں کچھ لوگوں نے ایسے اُمور کو فرائض سے بڑھ کر اہمیت دی اور کتابیں پمفلٹ، اشتہار اور مناظرے ہونے لگے اور کچھ لوگوں نے انہیں حرام قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ توقف کے حکم کی خلاف ورزی میں کوئی کسی سے پیچھے نہیں رہا۔ الا ماشاء اللہ۔

جہاں تک حکم توقف کے عملی پہلو کا تعلق ہے آگے بڑھنے والے یہاں تک آگے بڑھے کہ ایسے اُمور کو عملاً نہ صرف فرائض کا درجہ دیا بلکہ ان کو کفر و اسلام کا معیار قرار دے دیا یعنی اللہ و رسول کے مقرر کردہ فرائض میں کوئی شخص کیسا کھسڈی ہو اور شرعی ممنوعات کے بارے میں خواہ کیسا جری باغی ہو اس پر کوئی اعتراض نہیں مگر ان مشتبہ اُمور کے بارے میں قولاً یا فعلاً سستی دکھائے تو گشتنی سوختنی اور گردن زدنی ہے

غیر مقصودی چیز کو مقصودی بنانے کا قدرتی نتیجہ دو صورتوں میں ظاہر ہونا ضروری ہے۔ اوّل انفرادی زندگی سے سکون اُٹھ جاتا ہے کہ آدمی لذتیت میں ہی گم ہو کے رہ جاتا ہے اور لذت پرستی کی خاصیت یہ ہے کہ کسی طرح سیری ہوتی ہی نہیں ؎

گھٹتا جاتا ہے خطِ پیمانہ
بڑھتی جاتی ہے تشنگی ساقی

دوم۔ اجتماعی زندگی میں باہم آویزش تشتت و افتراق دھڑے بندی۔ تعصب اور منافرت کا پیدا ہونا جس کا نتیجہ اجتماعی بدامنی۔ بے چینی اور فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ اب ہمارے معاشرے میں یہ دونوں مرض ایسے عام ہیں کہ نہ کوئی فرد اس سے بچا ہوُا ہے نہ کوئی جماعت اس سے خالی ہے۔ اور یہ سزا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی خلاف ورزی کی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ یہ خلاف ورزی غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر نہیں ہوتی۔ بلکہ حضور اکرم ؐ کی مخالفت کرنے کے لیئے منظم ادارے کھلے ہوئے ہیں اور ان اداروں کے منتظم وہ لوگ ہیں جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔

؎

جفائیں بھی ہیں فریب بھی ہیں نمود بھی ہے سنگار بھی ہے
اور اس پہ دعوائے حق پرستی اور اس پہ یاں اعتبار بھی ہے

اللھم احفظنا من شرور انفسنا

مجاہدہ مطلقاً مخالفت نفس کا نام نہیں بلکہ جہاں مرغوب نفس مامور بہ نہ ہو۔ ورنہ نفس مطمئنہ کو بعض اوقات مامور بہ کی رغبت ہوتی ہے۔ حالانکہ اس کی مخالفت مجاہدہ نہیں۔

جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ یقیناً دال ہے مرغوبیت صلوٰۃ پر

اور ظاہر ہے کہ اس کا ترک مطلوب نہیں۔ اور مامور بہ ہونا تو یہ وحی سے معلوم ہوگا

تو

معلوم ہوُا کہ مجاہدہ کا محل وحی سے متعین ہوگا۔ نہ کہ محض رغبت یا عدم رغبت سے

(ا۔ ع۔ ت)

روشنی کا مینار

مولانا ابوالحسن علی ندوی

ذرا چودہ سو برس پہلے کی دنیا پر نظر ڈالیے، اونچی اونچی عمارتوں، سونے چاندی کے ڈھیروں اور زرق برق لباسوں کو چھوڑ دیجیے یہ تو آپ کی پرانی تصویروں کے مرقع اور مُردہ عجائب خانہ میں بھی نظر آئیں گے۔ یہ دیکھیے کہ انسانیت بھی کہیں جیتی جاگتی تھی۔ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھر کر دیکھ لیجیے اور سانس روک کر آہٹ لیجیے گا کہیں اس کی نبض چلتی ہوئی اور اس کا دل دھڑکتا ہوا معلوم ہوتا ہے؟ زندگی کے سمندر میں بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھائے جا رہی تھی۔ انسانیت کے جنگل میں شیر اور چیتے سؤر اور بھیڑیے بکریوں اور بھیڑوں کو کھائے جا رہے تھے، بدی نیکی پر رذالت شرافت پر خواہشات عقل پر پیٹ کے تقاضے روح کے تقاضوں پر غالب آچکے تھے۔

لیکن اس صورتِ حال کے خلاف اتنی لمبی چوڑی زمین پر کہیں احتجاج تھا؟ انسانیت کی چوڑی پیشانی پر غصہ کی کوئی کرن نظر آتی تھی؟ ساری دنیا نیلام کی ایک منڈی بن چکی تھی، بادشاہ، وزیر، غریب، امیر اس منڈی میں سب کے دام لگ رہے تھے۔ اور سب کوڑیوں میں بک رہے تھے۔ کوئی ایسا بھی تھا جس کا جوہر انسانیت خریداروں کے حوصلے سے بلند ہو اور جو پکار کر کہے کہ یہ ساری فضا میری ایک اڑان کے لیے کافی نہیں یہ ساری دنیا اور پوری زندگی میرے حوصلے سے کم تھی اس لیے ایک دوسری ابدی زندگی میرے لیے پیدا کی گئی۔ میں اس فانی زندگی اور اس محدود دنیا کی ایک چھوٹی سی کسر پر اپنی روح کو کس طرح فروخت کر سکتا ہوں؛ قوموں اور ملکوں کے اور ان سے گذر کر قبیلوں اور برادریوں کے اور ان سے بڑھ کر کنبوں اور گھرانوں کے چھوٹے چھوٹے گھروندے بن گئے تھے اور بڑے بڑے بلند ہمت انسان جن کو اپنی سرفرازی اور سربلندی کے بڑے اونچے دعوے تھے، بالشتیوں کی طرح ان گھروندوں میں رہنے کے عادی بن چکے تھے۔ کسی کو ان میں تنگی اور گھٹن محسوس نہیں ہوتی تھی اور کسی کو اس سے زیادہ وسیع دنیا اور وسیع تر انسانیت کا تصور باقی نہیں رہا تھا۔ زندگی ساری سود وسودا اور مکروفن بن کر رہ گئی تھی انسانیت ایک سرد لاش تھا جس میں

کہیں روح کی تپش۔ دل کا سوز اور عشق کی حرارت باقی نہیں رہی تھی۔ انسانیت کی سطح پر خودرو جنگل اُگ آیا تھا ہر طرف جھاڑیاں تھیں جن میں خونخوار درندے اور زہریلے کیڑے تھے یا دلدلیں تھیں جن میں جسم سے لپٹ جانے والی اور خون چوسنے والی جونکیں تھیں، اس جنگل میں ہر طرح کا خوفناک جانور ہر طرح کا شکاری پرندہ اور ان دلدلوں میں ہر قسم کی جونک پائی جاتی تھی لیکن آدم زادوں کی اس بستی میں کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا جو آدمی تھے وہ غاروں کے اندر پہاڑوں کے اوپر اور خانقاہوں اور عبادت گاہوں کی خلوتوں میں چھپے ہوئے زندگی سے آنکھیں بند کر کے فلسفہ سے اپنا دل بہلا رہے تھے یا شاعری سے اپنا غم غلط کر رہے تھے اور زندگی کے میدان میں کوئی مرد میدان نہ تھا۔

دفعتاً انسانیت کے سرد جسم میں گرم خون کی ایک رو دوڑی نبض میں حرکت اور جسم میں جنبش پیدا ہوئی جن پرندوں نے اس کو مردہ سمجھ کر اس کے بے حس جسم کی ساکن سطح پر بسیرا کر رکھا تھا اُن کو اپنے گھر ہلتے ہوئے اور اپنے جسم لرزتے ہوئے محسوس ہوئے، قدیم سیرت نگار اس کو اپنی خاص زبان میں یوں بیان کرتے ہیں کہ کسریٰ شاہ ایران کے محل کے کنگرے گرے اور آتش پارس ایک دم سے بجھ گئی! زمانہ حال کا مؤرخ اس کو اس طرح بیان کرے گا کہ انسانیت کی اس اندرونی حرکت سے اس کی بیرونی سطح میں اضطراب پیدا ہوا۔ اس کی اس ساکن و بے حرکت سطح پر جتنے کمزور اور بودے قلعے بنے ہوئے تھے سب میں زلزلہ آیا، مکڑی کا ہر جالا ٹوٹتا اور تنکوں کا ہر گھونسلا بکھرتا نظر آیا زمین کی اندرونی حرکت سے اگر سنگین عمارتیں اور آہنی برج خزاں کے پتوں کی طرح جھڑ سکتے ہیں، تو پیغمبر کی آمد آمد سے کسریٰ و قیصر کے خود ساختہ نظاموں میں تزلزل کیوں نہ ہوگا۔ زندگی کا یہ گرم خون جو انسانیت کے سرد جسم میں دوڑا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا واقعہ ہے جو متمدن دنیا کے قلب مکہ معظمہ میں پیش آیا آپ نے دنیا کو جو پیغام دیا اس کے لفظ زندگی کی تمام وسعتوں پر حاوی ہیں تاریخ گواہ ہے کہ انسانی زندگی کی جڑیں اور اس کے چھوٹے قصر زندگی کی بنیادیں کبھی اس زور سے نہیں ہلائی گئیں جیسی اس پیغام لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اعلان سے ہلائی گئیں اور دنیا کے بلید ذہن پر کبھی ایسی چوٹ نہیں پڑی تھی جیسی ان لفظوں سے پڑی وہ غصہ سے تلملا گیا اور اس نے جھنجھلا کر کہا اجعل الالھۃ الٰھا واحدا ان ھذا لشیٔ عجاب۔ کیا اُن سب کو جن کی ہم پرستش کرتے تھے اور جن کے ہم بندے بنے ہوئے تھے اڑا کر ایک ہی معبود و مقصود رکھا ہے یہ جو بڑے اچنبھے کی بات ہے) اس ذہن کے نمائندوں نے فیصلہ کیا کہ یہ ہمارے نظام زندگی کے خلاف ایک گہری اور منظم سازش ہے اور ہم کو اس کا مقابلہ کرنا ہے۔

وانطلق الملاء منھم ان امشوا واصبروا علیٰ الھتکم ان ھذا الشیٔ یراد (ان کے سردار اور ایک دوسر کے پاس گئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو یہ تو کوئی ٹھنی ہوئی بات معلوم ہوتی ہے۔ یہ نعرہ زندگی اور انسانیت کے تصویر پر ایک کاری ضرب تھی جو ذہن کے پورے سانچہ اور زندگی کے پورے ڈھانچہ کو متاثر کرتی تھی اس کا مطلب تھا جیسا آج تک سمجھا تا رہا یہ دنیا کوئی خود رو جنگل نہیں بلکہ یہ مالی کا لگایا ہوا آراستہ باغ ہے اور انسان اس باغ کا سب سے اعلیٰ پھول یہ گل سر سبد جو ہزاروں بہاروں کا

سرمایہ ہے بے مقصد نہیں کہ رل دل کر رہ جائے انسانیت نے
جوہر انسانیت کی اس کے خالق کے سوا کوئی قیمت نہیں لگا سکتا
اس کے اندر وہ لامحدود طلب وہ بلند ہمت وہ بلند پرواز روح
اور وہ مضطرب دل ہے کہ یہ ساری دنیا مل کر اس کی تسکین نہیں
کر سکتی۔ اور یہ ششیت عناصر دنیا اس کے ساتھ ساتھ نہیں
چل سکتی اس کے لئے غیر فانی زندگی اور لامحدود دنیا درکار ہے
جس کے سامنے یہ زندگی ایک قطرہ اور یہ دنیا بازیچہ اطفال ہے
وہاں کی راحت کے سامنے یہاں کی راحت اور وہاں کی تکلیف
کے سامنے یہاں کی تکلیف کوئی حقیقت نہیں رکھتی اس لئے
انسان کا فطری تقاضا خدائے واحد کی عبادت اس کی خوشنودی
رضائے الٰہی کی طلب اور اس کی زندگی اس کے لئے جدوجہد
ہے انسان کو کسی روح کسی مخفی و فرضی طاقت۔ کسی درخت پتھر
کسی قسم کی دھات اور جمادات، کسی مال و دولت کسی جاہ و
عزت کسی طاقت و قوت اور کسی روحانیت و عظمت کے سامنے
بندوں کی طرح جھکنے اور سبزہ کی طرح پامال ہونے کی ضرورت نہیں
وہ صرف ایک بلندی کے سامنے سب سے زیادہ پست اور سب
پستیوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ بلند ہے وہ سارے
عالم کا مخدوم اور ایک ذات کا خادم ہے اس کے سامنے فرشتوں
کو سجدہ کرا کر اور اس کو اللہ کے سوا ہر ایک کے سجدے سے منع
کر کے ثابت کر دیا کہ کائنات کی طاقتیں جن کے فرشتے امین ہیں
اس کے سامنے سرنگوں اور سر بسجود ہیں اور اس کا سر اکیلے جواب
میں اللہ کے سامنے جھکا ہوا ہے۔

دنیا کا ذہن اتنا شل ہو چکا ہے کہ وہ مادیات و محسوسات
اور جسم اور پیٹ کے حدود سے باہر آسانی سے کام نہیں کر سکتا
لوگوں کا ذہن اتنا اتھلا ہو چکا تھا کہ وہ کسی انسان سے متعلق
گہرا اور بلند تصور قائم ہی نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے کچھ پیمانے
بنا رکھے تھے ہر نئے شخص کو اسی لئے پیمانے سے ناپتے تھے۔
زندگی کی جو چھوٹی چھوٹی بلندیاں بن چکی تھیں ہر بلند انسان کو
انہیں کے سامنے لا کر دیکھتے تھے انہوں نے بڑے غور و فکر اور
ذہانت سے کام لیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
لئے اس کے آگے نہ سوچ سکے کہ یا تو وہ مال و دولت کے
یا سرداری و بادشاہی کے یا عیش و عشرت کے طالب ہیں انصاف
کیجئے تو اس وقت تک دنیا کا تجربہ اس سے زیادہ اور کیا تھا اور
اس نے اپنے زمانہ کے حوصلہ مندوں اور شہبازوں کی اس
سے بلند پرواز کب دیکھی تھی۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں ایک
وفد بھیجا زمانہ کے احساسات کی صحیح ترجمانی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے اس کا جو جواب دیا وہ نبوت کی صحیح نمائندگی اور اس
نے جو کچھ کہا وہ نبوت کی صحیح نمائندگی اور امت مسلمہ کی حقیقت
کا اصلی اظہار تھا آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ ان میں سے کسی
چیز کے طالب نہیں آپ جس چیز کے داعی ہیں وہ ان کی ان
بلند چیزوں سے اس سے بھی زیادہ اونچی ہے جتنا آسمان اس
زمین سے آپ اپنی ذاتی راحت اور ترقی کے لئے فکر مند نہیں
بلکہ نوع انسانی کی نجات اور اس کی راحت کے لئے بے چین
ہیں۔ آپ اس دنیا میں اپنے لئے کوئی مصنوعی جنت بنانے
کے خواہشمند نہیں بلکہ جنت سے نکالے ہوئے انسان کو
حقیقی جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل کرنا چاہتے ہیں آپ اپنی سرداری
کے لئے کوشاں نہیں بلکہ تمام انسانوں کو انسانوں کی غلامی
سے نکال کر بادشاہ حقیقی کی غلامی میں داخل کرنا چاہتے ہیں
اسی بنیاد پر یہ امت بنی اور یہی پیغام لے کر وہ تمام دنیا میں
پھیل گئی اس کے سفیروں نے جو اپنے اندر دعوت کی سچی رگ

اور اسلام کی صحیح زندگی رکھتے تھے کسریٰ اور قیصر کے بھرے دربار میں صاف کہہ دیا کہ اللہ کی غلامی میں، دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں اور مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کے انصاف میں داخل کریں۔ ان کو جب اپنے اصولوں پر حکومت قائم کرنے اور چلانے کا موقع ملا تو وہ جو کچھ کہتے تھے اور جس کی دوسروں کو دعوت دیتے تھے اس کو جاری کر کے دکھا دیا اُن کی معیاری حکومت کے زمانہ میں کسی انسان کی بندگی نہیں ہوتی تھی بلکہ اللہ کی بندگی ہوتی تھی۔ کسی انسان یا جماعت کا حکم نہیں چلتا تھا بلکہ اللہ کا حکم چلتا تھا اُن کا حاکم جس کو وہ خلیفہ کہتے تھے معمولی سی انسانی تحقیر پر کہہ اٹھتا ہے کہ وہ لوگ ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے

تم نے ان کو کب سے غلام بنالیا۔ اُن کا بڑے سے بڑا حاکم بڑی بڑی بادشاہتوں کے دارالسلطنت میں اس شان سے رہتا تھا کہ لوگ اس کو مزدور سمجھ کر اس کے سر پہ بوجھ رکھ دیتے تھے اور وہ اس کو اُن کے گھر پہنچا آتا تھا۔ اُن کا دولت مند سے دولت مند انسان اس طرح زندگی گزارتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس زندگی کو زندگی اور اس کی راحت کو راحت ہی نہیں سمجھتا اس کی نظر کسی اور زندگی پر اور اس کو طلب کسی اور راحت کی ہے۔

اس اُمت کا وجود دنیا کے ہر گوشہ میں مادی حقیقتوں اور جسمانی لذتوں کے علاوہ ایک بالکل دوسری حقیقت کے وجود کا اعلان تھا۔ اس کا ہر فرد پیدا ہو کر بھی اور مر کر بھی اس حقیقت کا اعلان کرتا تھا کہ دنیا کے طاقتوں سے بڑی ایک دوسری طاقت ہے اس زندگی سے زیادہ حقیقی دوسری زندگی ہے وہ دنیا میں آتا تھا تو اس کے کان میں اسی حق کی اذان دی جاتی تھی مرتا تو تھا اسی شہادت و نعرہ کے ساتھ اس کو رخصت کیا جاتا تھا جب اس دنیا پہ بے حس اور موت کا سکوت طاری ہو جاتا اور شہر کی ساری آبادی معاش کی جد و جہد میں سرتاپا غرق ہو جاتی اور دنیا میں مادی ضرورتوں کے علاوہ کوئی اور ضرورت اور محسوس حقیقتوں کے علاوہ کوئی اور حقیقت جیسی نظر نہ آتی اس کی ایک اذان اس طلسم کو توڑ دیتی اور اس کا اعلان کرتی کہ نہیں جسم اور پیٹ سے زیادہ ایک دوسری روشن حقیقت ہے اور وہی کامیابی کی راہ ہے۔ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح بازار کا شور اس نعرہ حق کے سامنے دب جاتا اور سب حقیقتیں اس حقیقت کے سامنے ماند پڑ جاتیں اور اللہ کے بندے اس حقیقت پر دیوانہ وار دوڑ پڑتے جب رات کو پورا شہر میٹھی نیند سوتا تھا اور جیتی جاگتی دنیا ایک وسیع قبرستان میں ہوتی دفعتاً موت کی اس بستی میں زندگی کا چشمہ اس طرح ابلتا جس طرح رات کی سیاہی میں صبح کی سپیدی نمودار ہو اور الصلوٰۃ خیر من النوم سے اونگھتی سوتی انسانیت کو تازگی اور زندگی کا نیا پیغام ملتا جب کسی طاقت و سلطنت کا کوئی فریب خوردہ انا ربکم الاعلیٰ اور ما لکم من الٰہ غیری کا نعرہ لگاتا تو ایک غریب مؤذن اس کی مملکت کی بلندیوں سے اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر اس کے دعویٰ خدائی کا تمسخر اڑاتا اور اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہہ کر حقیقی بادشاہ کی اطاعت کا اعلان کر دیتا اس طرح دنیا کا مزاج بے اعتدالی اور اس کا دماغ بہکنے سے محفوظ رہتا۔

مادی زندگی کا کوئی شعبہ مومن کے دم سے نا محرم نہیں وہ اگر کسی ملک سے چلا جائے تو اس کی ظاہری زندگی میں

کوئی خلل واقع نہیں ہوگا دنیا جس طرح کھاتی کماتی ہے کھاتی کماتی رہے گی انسان جس طرح جیتے مرتے رہیں گے مگر یاد رہے کہ زندگی کی روح نکل جائے گی اور وہ ایک بے جان جسم ہو کر رہ جائے گا عقل کے اس پلندہ میں جہاں خود پرستی اور شکم پرستی کے سوا کچھ نہیں وہی ایک مجذوب ہے جس کے عشق و مستی سے اس عالم میں گرمی و ہنگامہ ہے وہ اگر نکل جائے تو دنیا صرف تجارت کی منڈی اور زندگی فقط نا و نوش ہے زندگی کے اس "بدگمان آباد" میں وہی ایک صاحب یقین ہے۔ جس کا یقین ٹوٹے ہارے دلوں کا سہارا اور ناکامی و نامرادی کے سمندروں میں ڈوبنے والوں کے لئے کنارہ ہے خود غرضی اور خود مطلبی کے اس بازار میں وہی ایک صاحب ایثار ہے جو اپنی جان پر کھیل جاتا ہے اور اپنا سرمایہ دوسروں کے لئے لٹا دیتا ہے بے حس انسانوں کی دنیا میں جو سینہ میں دل کی جگہ پتھر کی سل رکھتے ہیں وہی ایک صاحب محبت ہے جو سارے جہان کا درد اپنے جگر میں رکھتا ہے اور اپنے سوز سے خود ہی جلتا اور پگھلتا رہتا ہے۔ ہر زمانہ میں فقر پہ امارت کو گدائی پہ بادشاہی کو، آخرت پہ دنیا کو، ادھار پہ نقد کو غیب پہ شہود کو ایمان پہ جان کو قربان کرنے کی اسی میں سب سے زیادہ ہمت ہے۔

اس پر کسی ملک کا احسان نہیں کہ اس نے اسے مہمان بنایا اور رہنے کو جگہ دی ہاں اس کا ہر ملک پر احسان ہے کہ اس نے توحید خالص کا پیغام سنایا۔ انسان دوستی اور عدل و مساوات کا سبق پڑھایا۔ انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے نکالا۔ امیر غریب، اونچ نیچ کو ساتھ ساتھ بیٹھنا سکھایا۔ عورت کو اس کا حصہ دلایا اور اس کے ساتھ انصاف کرنا سکھایا انسانیت کا احترام کرنا بتایا۔ زندگی کا زیادہ با معنی انسانیت کا زیادہ بلند اور دنیا کا زیادہ وسیع تصور بخشا۔ نسل پرستی دولت پرستی، شاہ پرستی سے نجات دی۔ ترک دنیا، تجرد نسل کشی آدم بیزاری اور لکھو کھا ہزاروں برس کے اوہام و مفروضات کا طلسم توڑا عقل کو بندھنوں سے آزاد کیا علم پر سے پابندیاں ہٹائیں۔ دین پر سے نسلی و خاندانی اجارہ داری کو ختم کیا۔ ذاتی عمل اور کوشش کی اہمیت واضح کی۔ آج دنیا علم و عقل کی جس منزل پر ہے کون نہیں جانتا کہ یہ اسی کی جگر سوزی کا نتیجہ ہے جو کبھی انسانیت کا قافلہ سالار تھا۔ آج یورپ علم و عقل میں دنیا کا استاد بنا ہوا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اہل اندلس کی نگاہ نے صدیوں اس کی تربیت کی ہے اور حیوانات کی سطح سے اس کو بلند کیا ہے آج بر عظیم میں عدل و مساوات، انسانیت اور عالمگیر ہمدردی کے لفظ بڑے عام ہیں کون انکار کر سکتا ہے کہ بڑی مشکل سے یہ لفظ یہاں رائج ہوئے اور ذہن ان کے مفہوم سے آشنا ہوئے

مسلمان کسی قوم و نسل، اور اسلام کبھی رسم و رواج اور کسی ترکہ و میراث کا نام نہیں وہ ایک دعوت و پیام اور ایک سیرت اور زندگی ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کی نظر مادیات و محسوسات اور جسم و جان سے تعلق رکھنے والی محدود دنیا سے زیادہ وسیع ہو اس کی ہمت شکم پری اور تن پوشی کی سطح سے بلند ہو اس کا گھر ایک وطن کی چار دیواری سے زیادہ وسیع ہو۔ اس کا دل انسانیت کے احترام سے معمور، اس کی ہمدردی قوم و نسل کے حدود اور ملک و وطن کے قیود سے آزاد ہو۔ اس کی تگ و دو اور پرواز موت ہی تک نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس جسم کے ساتھ قلب و روح کی تسکین

کا بھی سامان موجود ہے اس کے پاس وہ ایمانی طاقت اور اخلاقی تعلیم ہے جو اندھیرے، اُجالے، مجمع اور تنہائی فقیری اور بادشاہی، بے بسی اور اختیار مطلق میں پابند رکھ سکتی ہے۔ اس کے پاس ظن و تخمین اور قیاسات و تجربات کے بجائے علم کی پختہ بنیادیں اور محکم اصول ہیں جو ہر زمانہ اور ہر ملک میں جاری ہو سکتے ہیں۔ اس کے پاس مختلف الحال انسانوں اور مختلف زمانوں کی رہنمائی کے لئے ایسی جامع اور مکمل ہستی کی محفوظ زندگی ہے جس کے علم و عمل کا سرچشمہ قیاس و تجربہ اور جذبات و خواہشات نہ تھے۔ جو ہر زمانہ کو معقول زندگی، متوازن تمدن اور جامع انسانیت کا پیغام دے سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا کو اپنی ترقی و تنزل کے ہر دور میں اور ملک کو ہر انقلاب میں ایسی جماعت کی اعانت اور رہنمائی کی ضرورت ہے اور ہر حصہ میں اس کا وجود مبارک ہے جو اس پیغام کی حامل اور ان صفات سے متصف ہو۔ ایسی جماعت کا وجود کسی خطۂ زمین میں بھی کسی کی رعایت اور احسان نہیں بلکہ خالق کائنات کا عین منشا اور زندگی کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

جب رات کی تاریکی دن کو چھپا لیتی ہے۔ جب ہوا و ہوس کا لشکر ہر طرف سے اُمنڈ پڑتا ہے جب ایک انسان اپنے پیٹ کی خاطر اپنے بھائی کا گلا کاٹنے لگتا ہے جب قومیں اپنی انانیت اور تکبر میں کمزور قوموں کو ہضم کرنے لگتی ہیں۔ جب دولت کا بُت علانیہ پُجنے لگتا ہے جب وطن اور قوم کی دیوی پر انسان بھینٹ چڑھنے لگتا ہے۔ جب انسان اپنی قوت و دولت کے نشہ میں خُدائی کا دعویٰ کرنے لگتا ہے جب ذخیرہ اندوزی اور نفع بازی کی مصیبت سے انسان دانہ دانہ کو ترسنے لگتا ہے جب نفس کی آگ بھڑکتی ہے اور دل کی آگ بجُھتی ہے۔ جب زندگی کے بازار میں ذی روح انسان کی قیمت گر جاتی ہے اور بے جان دھاتوں اور جمادات کی قیمت چڑھ جاتی ہے۔

جب عُریانی اور بے حیائی اور گناہ و معصیت کا دنیا پر دَور دورہ ہوتا ہے اور وہ علم و فن بن جاتے ہیں۔ جب اغراض و خواہشات کے سوا دنیا میں کسی کی حکومت نہیں ہوتی اور تمام دنیا میں فساد پھیل جاتا ہے تو روح کائنات اس مردِ خدا کو آواز دیتی ہے

ؔ

خیز کہ شد مغرب و مشرق خراب

★

نور اسی میں ہے کہ تم کو گناہ کا تقاضا ہو اور تم تقاضے کا مقابلہ کرو۔ اس تقاضے ہی سے تقویٰ کا حمام روشن اور تقویٰ کا کمال ظاہر ہوتا ہے

(ا - ع - ت)

اے حامد علوی ایم۔ اے

"عورت جو زندہ درگور ہو گئی"

"حکایت" کے شمارہ نومبر ۱۹۸۱ء میں مندرجہ بالا عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا۔ محترمہ ثریا عندلیب کا یہ مقالہ بڑا معلومات افزا اور فکر انگیز ہے۔ البتہ چند امور وضاحت طلب اور دقت نظر سے مزید غور و خوض کے محتاج ہیں۔ "مدیر"

محترمہ نے ایک نہایت قیمتی اور ناقابلِ انکار حقیقت کا اظہار اپنے مقالہ کے آغاز میں ان الفاظ سے فرمایا

"جب ہم مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو انفرادی و اجتماعی طور پر ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم رب العالمین کی عطا کردہ آخری، مکمل، غیر متبدل، محفوظ و موجود کتاب مبین قرآن حکیم کو عملی طور پر اپنا ضابطۂ حیات بنائیں اور زندگی کے تمام معاملات و مسائل اصولی طور پر اس کے دئیے ہوئے اصول و اقدار کی روشنی میں تلاش کریں۔"

ظاہر ہے کہ کوئی نام کا مسلمان بھی خواہ وہ کیسا ہی بے عمل ہو اصولی طور پر اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کو ضابطۂ حیات بنانے کا طریقہ یہی ہے کہ اس کتاب کے الفاظ کو صدق دل سے اللہ کا کلام تسلیم کر کے ان الفاظ کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اس مفہوم کے مطابق عمل کی جو صورت ہے اسے اختیار کیا جائے۔ اس سارے عمل کی چار ممکن صورتیں ہیں :۔

۱۔ صرف الفاظ قرآن سے لئے جائیں۔ ان الفاظ کا مفہوم لغت کی مدد سے یا اپنی پسند سے خود متعین کیا جائے اور اپنی عقل سے اس مفہوم کے مطابق کام کی عملی صورت وضع کی جائے۔

۲۔ الفاظ قرآن سے لئے جائیں اور الفاظ کا مفہوم معلم قرآن سے لیا جائے۔ مگر اس مفہوم کی عملی تعبیر اپنی پسند سے کی جائے۔

۳۔ الفاظ قرآن سے لئے جائیں مفہوم خود متعین کیا جائے اور عملی صورت باہمی مشورہ سے طے کی جائے۔

۴۔ الفاظ قرآن سے لئے جائیں مفہوم اس معلم سے لیا جائے جس کو قرآن کے الفاظ پہنچانے کے ساتھ یہ ذمہ داری سونپی گئی ویعلمہم الکتاب اور اس مفہوم کی عملی تعبیر کے لئے بھی اسی سے

پوچھ لیا جائے کیونکہ اسی قرآن نے اس کی یہ حیثیت متعین کی ہے کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ اور اس سے پوچھ لینے کے بعد امت میں عملی نمونہ دیکھنے کے لئے ان لوگوں کے طرز زندگی کا مطالعہ کیا جائے جن کی اتباع کا حکم احسان کی قید کے ساتھ قرآن حکیم خود دیتا ہے کہ والسبقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ،

(۱) اگر پہلی صورت اختیار کی جائے تو کئی پیچیدگیاں پیدا ہونے کا خطرہ ہے مثلاً قرآن کے الفاظ کو اگر لغت کی مدد سے حل کیا جائے تو یہ صورت سامنے آئے گی کہ ایک لفظ کے کئی مفہوم ملیں گے ان میں سے کوئی ایک مفہوم اپنی پسند سے انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثلاً لفظ صلواۃ کو لیجئے لغت میں اس کے معنی الدعاء، التسبیح، الرحمۃ، الاستغفار عبادۃ فیھا، رکوع وسجود اور تحریک الصلوین یعنی جنبیا نیدن ہر دو سرین ملتے ہیں۔

اگر الفاظ کا مفہوم اور اس کے مطابق عملی شکل متعین کرنے میں ہر فرد آزاد ہو تو ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنی پسند کے معنی انتخاب کرے گا۔ ممکن ہے کوئی رنگیلا جوان آخری معنی انتخاب کر لے اور اس کی عملی شکل ٹوسٹ ڈانس متعین کر لے تو ظاہر ہے کہ اس نے اقامت صلواۃ کا حق ادا کر دیا۔

یا مثلاً لغت میں الزکواۃ کے معنی الصدقہ، الطہارۃ کا مفہوم صفوۃ الشئی یعنی صفائی ستھرائی انتخاب کرے اور اس کی عملی تعبیر اسے پسند آئے کہ بدن کی صفائی لباس کی صفائی کا اہتمام کرے یا اگر مال سے اس کی نسبت کرے تو عملی صورت یہ تجویز کرے کہ مال سکے ہوں یا کرنسی نوٹ ہوں نہایت صاف ستھرے اور نئے ہونے چاہئیں اگر یہ سب کچھ کرے تو زکواۃ کا حق ادا ہو گیا۔

مگر ایسی دانشورانہ فنکاریوں کے متعلق یہ کہنے کی جرأت کون کر سکتا ہے کہ قرآن حکیم کو عملی طور پر ضابطۂ حیات بنا لیا گیا ہے۔

دوسری اور تیسری صورت میں بھی کم وبیش اسی قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی اور یہ تو قرآن پر عمل نہیں ہوگا۔ قرآن کے ساتھ استہزاء کی فن کارانہ کوشش کہی جا سکتی ہیں۔

فہم نبوی ؐ سے بے نیاز ہو کر قرآن کے الفاظ کا مفہوم متعین کرنے سے معاشرہ کی جو صورت بنتی ہے اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

ایک مفسر لکھتے ہیں فما ستمتعتم بہ منھن کا مطلب یہ ہے کہ متعہ صرف جائز ہی نہیں عظیم ترین عبادت ہے۔ جواز اور عدم جواز کی بحث نہیں بات آگے بڑھی ہے اور لکھا ہے کہ عمر بھر میں ایک دفعہ متعہ کرے تو اس کا درجہ حسینؓ کے برابر، دو دفعہ کرے تو حسنؓ کے برابر تین دفعہ کرے تو علیؓ کے برابر اور چار دفعہ کرے تو رسول کے برابر۔

دوسرا مفسر لکھتا ہے :-

اویز وجبھم ذکرانا واناثا سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن نے مردوں کو مردوں کے ساتھ تزویج کی اجازت دی ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ قرآنی نظام کی صورت یہ بنی کر زنا عبادت ٹھہرا اور عمل قوم لوط کے لئے جواز قرآن سے مہیا کیا گیا۔

ایک اور مفسر نے خاتم النبیین کا مفہوم یوں لیا ہے کہ جعلی نیا سیتی نبوت ایک مستقل اور منظم کاروبار بن گیا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے قرآن دہائی دے رہا ہو کہ مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ کیونکہ یہ مفسر کوئی رچرڈ بیل، نولڈیکے یا سخاوت نہیں بلکہ وہ ہیں جن کے نام بالکل مسلمانوں جیسے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف علوم وفنون کی اصطلاحات اپنی ہوتی ہیں اسی طرح زندگی کے مختلف شعبوں میں اور حکومت کے مختلف محکموں میں اپنی اپنی جداگانہ اصطلاحات ہوتی ہیں یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک اصطلاح یا ایک ترکیب مختلف شعبوں میں مختلف معنوں کی ہوتی ہے اور ہر محکمہ وہ اصطلاح یا مرکب سنکر اپنے فن کے مطابق معنی اخذ کرتا ہے مثال کے طور پر ۔A.C ایک اختصار ہے اور حال یہ ہے کہ بجلی کے محکمہ میں جب یہ بولا جائے گا تو لامحالہ اس سے آلٹرنیٹ کرنٹ مراد لی جائے گی محکمہ مال میں اس سے مراد اسسٹنٹ کمشنر ہوگا۔ اور ریلوے میں اس کا مطلب ائیر کنڈیشنڈ کوچ ہوگا

اسی طرح اسلام اور شریعت اسلامی کی اپنی اصطلاحات ہیں۔ قرآنی الفاظ کا مفہوم شرعی اصطلاحات کی روشنی میں دیکھنا پڑے گا۔ اور اس کا معیار فہم رسول اور فہم شاگردانِ رسول ہوگا۔ یہ نہیں کہ جو شخص چاہے تاج العروس سامنے رکھ کر شرعی اور قرآنی اصطلاحات کا مفہوم متعین کرتا چلا جائے۔ اس طرح تو دین میں انارکی کیصورت پیدا ہو جائے گی۔

اس صورت مسئلہ کو سامنے رکھ کر اپنی روزمرہ عملی زندگی پر غور کیجئے سب سے پہلے ملک کے آئین کو دیکھیے۔ اس میں مسلمان کی تعریف لکھی گئی ہے اور اس کا حدود اربعہ متعین کر دیا گیا ہے اگر کوئی شخص اس تعریف سے ہٹ کر اس کی تعریف اپنی من پسند اختیار کر لے تو کیا آئین اس کو مسلمان تسلیم کرے گا اگر نہیں تو کیوں؟ یہاں اس ملک میں کچھ لوگ ایسے بستے ہیں جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں ان کے نام بھی مسلمانوں جیسے ہیں مگر آئین انہیں مسلمان تسلیم نہیں کرتا۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ مسلمان کے لفظ کا مفہوم تاج العروس میں دیکھ کر متعین نہ کیا جائے۔ بلکہ دستور پاکستان میں اس کی تعریف دیکھ کر اس کا مفہوم تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور اگر آدمی اسی پر مصر ہو کہ میں وہ مفہوم تسلیم نہیں کرتا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو پاکستان کی حدود سے نکل جائے یا صرف گھر بیٹھے اپنے دل میں اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا رہے دستور پاکستان اسے غیر مسلم ہی قرار دے گا۔ اور اگر عملاً اس آئین کا نفاذ بھی ہو جائے تو اس کے ساتھ اسلامی معاشرے میں وہی سلوک کیا جائے جو ایک غیر مسلم کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

اسی انداز سے قرآنی دستور کو دیکھیے اس کی اصطلاحات اس کی الفاظ اور اس کی تراکیب کا مفہوم متعین کرنا کسی مجلس قانون ساز کا کسی سپاہی کا یا کسی کلرک کا کام نہیں بلکہ اس ہستی کا کام ہے جسے اللہ نے اپنا آخری رسول بنا کر مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا اور اسے اسلامی دستور کی کتاب قرآن حکیم دے کر حکم دیا کہ اس کتاب کے الفاظ محاورات تراکیب اور اصطلاحات کا مفہوم بیان کرنا ہی تیرا کام ہے اور اس ہستی نے ۲۳ سالہ نبوی زندگی کے دوران اس کام کی تکمیل کر دی اب اگر کوئی شخص اس عظیم ہستی کو قرآن کے معاملے میں اتھارٹی سمجھنے کے لئے تیار نہ ہو بلکہ اپنے آپ کو ہی قرآن پر اتھارٹی منوانے پر مصر ہو اور لطف یہ ہے کہ اس عظیم ہستی کی امت کا فرد ہونے کا مدعی بھی ہو تو ایسی دورنگی کو کیا کہا جائے گا؟

ایسی جرأت رندانہ کے لئے قرآن کو کیوں انتخاب کیا گیا ہے اس ملک میں کیا کوئی فرد یہ جرأت کر سکتا ہے کہ تعزیرات پاکستان یا ضابطہ فوجداری کی تشریح کسی مستند انگلش ڈکشنری یا تاج العروس یا فیروز اللغات کی مدد سے کرے اور اعلان کرے مجلس قانون ساز نے یا سپریم کورٹ نے کسی ایکٹ یا کسی آرٹیکل کی جو تشریح کی ہے وہ غلط ہے اصل مفہوم یہ ہے جو میں بیان کر رہا ہوں کسی اور کا کیا کہنا یہی بزرجمہر قسم کے حضرات جو قرآن کو تختہ مشق بنا رہے ہیں وہی اپنی علمی کمالات اور ریسرچ کا رخ اس طرف پھیر کر ذرا تعزیرات پاکستان اور ضابطہ فوجداری کی ماڈرن تفسیر لکھ دیں یہ بہت بڑی قومی خدمت ہوگی۔

اسی طرح اگر پاکستان آرمی کا کوئی سپاہی A.R.! کے الفاظ کا مفہوم متعین کرنے کی مشق کرے اور ۴۰۷ء کی تعبیر کو فرسودہ قرار دے تو دیکھ لے کہ اس کا حشر کیا ہوگا۔ مگر قرآن چونکہ ایک مظلوم کتاب ہے اور دین یتیم ہو چکا ہے اس لئے نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ ع

ہر لئیمے راز دار دین شدہ

چوتھی صورت کے مختلف پہلوؤں کا تجزیہ کیا جائے تو حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف کتاب نازل نہیں کی بلکہ اس کے ساتھ ایک رسول بلکہ آخری رسول بھی مبعوث فرمایا اور کتاب اور رسول کا باہمی تعلق بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

یتلوا علیھم ایاتہ ویعلمھم الکتاب اور رسول اور امت کا باہمی تعلق یوں بیان فرمایا کہ ویزکیھم اس اصولی بیان کے علاوہ رسول ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا

وانزلنا الیک الکتاب لتبین للناس ما نزل الیھم۔ یعنی الفاظ قرآن اللہ تعالیٰ نے دئیے کسی انسان کو اپنی طرف سے الفاظ قرآن میں کمی بیشی کرنے کا اختیار نہیں دیا اور تبیین الفاظ کی ذمہ داری رسول کو سونپ دی یعنی مخلوق سے الفاظ قرآن کی نبوی تبیین سے ہٹ کر ہر تبیین کا اختیار سلب کر لیا جہاں تک مفہوم الفاظ قرآن کی عملی شکل کی تعیین کا تعلق ہے قرآن حکیم نے اعلان کیا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ

اسوہ کے معنی ہیں چال، ڈھنگ اور نمونۂ عمل۔

یعنی قرآن حکیم اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ قرآن کے الفاظ کی تبیین بھی نبی ؐ سے سیکھو اور اس مفہوم کے مطابق اس کی عملی تعبیر بھی نبی کریم کا نمونۂ عمل ہے

جہاں تک نبی کریم ؐ کی ذات کا تعلق ہے اس میں بعض امور حضور ؐ کی خصوصیات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی تھی عملی نمونے کچھ ایسے بھی ہوں جن میں کوئی استثنا نہ پائی جائے چنانچہ نبی کریم نے اپنی ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں قرآن حکیم کے نقشہ کے مطابق ایک معاشرہ تیار کیا جس کے ایمان اور عمل کو قرآن حکیم نے رہتی دنیا تک کے لئے معیار اور قابل اتباع قرار دیا۔ . . .

ارشاد باری ہے فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا یعنی اے صحابہ رسول اگر لوگ اس طرح ایمان لائیں جیسے تم لائے ہو تو وہ ہدایت کی راہ پا گئے۔ جہاں تک عملی پہلو کا تعلق ہے قرآن حکیم نے رضائے باری کے حصول کے لئے اتباع صحابہ کو اس انداز سے لازمی قرار دیا کہ اس کے بغیر رضائے الٰہی کا حصول ممکن ہی نہیں یعنی رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا مصداق صرف تین جماعتوں کو قرار دیا۔ مہاجرین اور انصار۔ یہ دونوں جماعتیں صحابہ کرام کی ہیں اور تیسری جماعت کا وصف بیان فرمایا والذین اتبعوھم باحسان یعنی صحابہ کے بعد قیامت تک جو انسان پیدا ہوں گے ان میں سے صرف وہی لوگ رضائے الٰہی کے مستحق قرار دئے جائیں گے جو صدق دل سے صحابہ کرام ؓ کا اتباع کریں گے۔

اتباع اور اطاعت میں جو فرق ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں اطاعت کا موقع اس وقت آتا ہے جب کوئی حکم ملے مگر اتباع تو نقش قدم پر چلنے کا نام ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اتباع میں حکم کا انتظار نہیں ہوتا بلکہ متبوع کی ہر حرکت کو اپنایا جاتا ہے بلکہ اس کی پسند و ناپسند کو ملحوظ رکھتے ہوئے زندگی بسر کی جاتی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرآن حکیم کو عملی طور پر ضابطۂ حیات بنانے کے لئے دو باتوں کا لحاظ رکھنا پڑے گا۔ یعنی کرنے کے کام اور نہ کرنے کے کام کونسے ہیں۔ نہ کرنے کے کام یہ ہیں۔

۱۔ قرآن پہنچانے والے نے قرآن کے جو الفاظ بتائے ہیں ان میں اپنی پسند کے الفاظ نہ تو داخل کئے جائیں نہ ان میں کمی کی جائے نہ ان کی جگہ کوئی مترادف الفاظ بدلے جائیں۔

۲۔ معلم قرآن نے الفاظ قرآن کا جو مفہوم بتایا اور سکھایا اس سے ہٹ کر یا اس سے متصادم کوئی مفہوم قبول نہ کیا جائے۔

۳۔ معلم قرآن نے جو مزکی بھی ہے قرآنی الفاظ کے مفہوم کی جو عملی شکل متعین کی اس کو چھوڑ کر کوئی دوسری ہیئت قبول نہ کی جائے۔

۴۔ اس معلم اور مزکی نے اپنی نگرانی میں ۲۳ سالہ تربیت سے جو جماعت تیار کی ان کے عملی نمونہ کو چھوڑ کر اپنی پسند کا کوئی عملی نمونہ تیار نہ کیا جائے

اور کرنے کا کام یہ ہے کہ:-

اس مبلغ معلم اور مزکی نے جو ارشاد فرمایا ، جو کیا ، جو سکھایا اور جو اس نے پسند فرمایا ، بس وہی کیا جائے ۔

ان اُمور کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے عملی زندگی میں قرآن حکیم کو ضابطہ حیات بنانے کا صرف دعویٰ کیا جا سکتا ہے جس کی حیثیت خود فریبی ، ابلہ فریبی اور خدا فریبی کے سوا کچھ نہیں ۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان چاروں معیاروں کو درخور اعتنا نہ سمجھتے ہوئے جو قرآنی نظام کا دعویٰ کیا جاتا ہے اس کی وجہ کیا ہے ؟ سمجھ میں یوں آتا ہے کہ اس کی وجہ یہ نہیں کہ دعویٰ کرنے والوں کو اس کا علم نہیں بلکہ اس کی وجہ ایک تو وہ ہے جو اقبالؒ نے بیان کی کہ ؎

دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشان نظری کا

یہ بیچارے معذور ہیں ذہنی مرعوبیت کا شکار ہیں ، فکر مغرب کو حق کا معیار سمجھتے ہیں مگر نام اسلام کا اور قرآن کا لیتے ہیں کہ اس ٹھپے کے بغیر کوئی سکہ یہاں چلتا نہیں ۔

دوسری وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے جو اکبر الہ آبادی نے بیان کی ہے ؎

اک برگِ مضمحل نے یہ اسپیچ میں کہا
موسم کی کچھ خبر بھی ہے اے ڈالیو تمہیں ؟
اچھا جواب خشک یہ اک شاخ نے دیا
موسم سے باخبر ہوں تو کیا جڑ کو چھوڑ دیں

یہاں دوسری مصیبت یہ آئی کہ صرف اسی درخت کے ہی نہیں بلکہ دوسرے درختوں کے برگ مضمحل یہ اسپیچ دینے لگے اور سننے والوں نے جڑ کو چھوڑنا قبول کر لیا ۔ مگر موسم کی سختیاں سہنے پر آمادہ نہ ہوئے اور ستم بالائے ستم یہ کہ اسلام اور قرآن داعیٔ اسلام اور معلم قرآن سے سیکھنا عار سمجھا اور مارگولیوتھ ، ولیم میور اور باسورتھ سمتھ کے سامنے زانوئے تلمذ کرنے میں فخر محسوس کیا اور یہ کوشش بالکل اس طرح کی ہے جیسے کنجڑے کی دکان سے جواہرات کی تلاش کی جائے ۔

۲- پیپر محترمہ نے فرمایا - " عمر بھر کے لئے ایسا تعلق (میاں بیوی کا) اسی صورت میں ہو سکتا ہے اور باہمی عہد قائم رہ سکتا ہے جب میاں بیوی میں فکر و نظر کی کامل ہم آہنگی اور ذوق ، مزاج ، خیالات ، تصورات اور نظریات و معتقدات کی یک جہتی ہو ۔ یہ نکاح کی بنیادی شرط اور خصوصیات ہے "

اس کی افادیت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے صرف اتنی احتیاط ضروری ہے کہ طرفین میں فکر و نظر کی کامل ہم آہنگی ، ذوق مزاج وغیرہ میں یک جہتی معلوم کرنے کے لئے وہی طریقے اختیار کئے جائیں جن کی اسلام رہنمائی کرتا ہے یا اجازت دیتا ہے ۔ اس مقصد تک پہنچنے کے لئے ذرائع وہ نہ اختیار کئے جائیں جو مغرب میں مروج ہیں ۔

۳- پیپر فرمایا " اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ مردوں

کو عورتوں کی روزی مہیا کرنے والا بنایا گیا ہے۔"

آیت کریمہ کی تعلیم تو بجا ہے اور عائلی زندگی کو تعمیری اور خوشگوار بنانے کی ضمانت اسی میں ہے کہ ہر جنس اپنی قوتوں کو اپنے مخصوص دائرے کار تک محدود ہی رکھے مگر عورتیں کبھی تو مانیں۔ اب تو عورتوں کو ضد ہے کہ روزی کمانے والے مرد نہیں بلکہ عورتیں ہیں اس لئے زندگی کے ہر میدان میں عورت مساوی نمائندگی کا مطالبہ کر رہی ہے۔ ریڈیو، ٹی وی ائیر لائن، دفتر، سیکرٹری غرض ہر جگہ اپنی برتری یا کم از کم مساوی نمائندگی پر مُصر ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ عورتیں اپنے مردوں کو روزی مہیا کرنے والا ہی سمجھتی ہوں اور یہ سب ڈیوٹیاں فی سبیل اللہ دیتی ہوں یا قومی خدمت کے جذبے سے کرتی ہوں تاکہ قرآنی دستور حیات پر حرف نہ آئے۔

۴۔ پھر فرمایا " عائلی زندگی کا اہم مسئلہ وحدت ازدواج اور تعدد ازدواج ہے۔ ۔ ۔ قرآن نے اسے تشنہ نہیں چھوڑا۔ اس نے اس معاملے میں ہماری رہنمائی یوں کی ہے کہ وحدت زوج کا اصول مقرر کیا ہے یعنی ایک وقت میں ایک بیوی۔ اگر اس بیوی سے نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو اسے طلاق دے کر دوسری بیوی لائی جا سکتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ رجنگ وغیرہ کی صورت میں اسلامی حکومت وحدت زوج کے اصول میں استثنا کر کے اس کی اجازت دے سکتی ہے کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ یعنی چار تک شادیاں کی جا سکیں۔"

قرآن حکیم نے اس مسئلے کو واقعی تشنہ نہیں چھوڑا البتہ اس کا جو حل محترمہ نے پیش کیا ہے قرآن حکیم نے یہ حل پیش نہیں کیا نہ معلم قرآن نے یہ حل سکھایا۔ نہ اس معاشرے میں یہ حل سمجھا گیا۔ جو معلم قرآن نے اپنی ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں تیار کیا۔

اول تو اس معاملے میں اسلامی حکومت کو ذمہ دار قرار دینا ہی قرآن کے خلاف ہے کیونکہ نکاح کے لئے عورت کو پسند کرنا اس سے نکاح کرنا فرد کا کام ہے۔ نہ یہ سوسائٹی کی ذمہ داری ہے نہ اسلامی حکومت کی اس سلسلے میں جو آیات آئی ہیں ان میں افراد ہی کو ان کی انفرادی حیثیت سے مخاطب کیا گیا ہے اور یہ بات بھی ہر فرد کے اپنے انفرادی فیصلے پر چھوڑ دی گئی ہے کہ اگر وہ ایک سے زائد بیویوں میں عدل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو ایک ہی پر اکتفا کرے۔ یہ حکومت کا درد سر نہیں کہ ایسی فہرستیں تیار کرتی رہے کس کو ایک نکاح کی اجازت دی جائے کس کو دو یا تین یا چار کی اجازت دی جائے۔

۵۔ پھر فرمایا " تعدد ازدواج کے متعلق سارے قرآن میں صرف ایک آیت سورۃ النساء میں آئی ہے جس میں بتایا گیا ہے " اگر تمہیں اس کا خوف ہو کہ تم یتامی کے مقابلے میں انصاف نہیں کر سکو گے یعنی کوئی خاطر خواہ منصفانہ حل نہیں کر سکو گے تو تم النساء میں سے حسب پسند دو، دو تین، تین چار، چار تک نکاح میں لے آؤ لیکن

اگر تمہیں اس کا خوف ہو کر تم بیویوں کے درمیان عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو۔ ایک سے زیادہ بیوی کے سلسلے میں قرآن کریم میں یہی ایک آیت آئی ہے جو ایک اجتماعی مسئلہ کے حل کے لئے ہنگامی تدبیر کے طور پر نازل ہوگی ہے۔

اس اقتباس میں دو باتیں قابل غور ہیں۔

اوّل یہ کہ قرآن حکیم میں کسی مسئلہ کے متعلق اگر صرف ایک آیت ہو تو وہ درخور اعتنا نہیں یہ اصول کہیں نہیں ملتا، اور یہ اصول کبھی کہیں نہیں ملتا کہ ایسی اکیلی آیت کی تفسیر بھی ہر فرد اکیلا جو چاہے کرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس دعویٰ کا کیا ثبوت ہے کہ یہ آیت ہنگامی تدبیر کے طور پر نازل ہوتی۔ کیا نبی کریمؐ نے اپنے دور میں یا خلفائے راشدین نے اپنے عہد خلافت میں کسی مقام پر اس کے ہنگامی تدبیر ہونے کا کوئی تاثر دیا۔؟ اگر یہ نہیں اور یقیناً نہیں تو اس اکیلی آیت پر ہنگامی تدبیر کا لیبل لگانا قرآن حکیم کو اپنی پسند اور اپنی خواہشات کے پیچھے لگانے کی جدید تدبیر ہے۔

۶۔ پھر فرمایا "جہاں تک افراد کا تعلق ہے اپنے طور پر ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیوی کرنے کی قرآن میں کہیں اجازت نہیں۔"

آیت کے الفاظ پر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مخاطب افراد ہیں حکومت نہیں خفتم، فانکحوا، ما طاب لکم۔ ان لا تعدلوا وغیرہ سب جمع کے صیغے افراد کے لئے ہیں حکومت مخاطب نہیں لہٰذا خوف کا احساس نکاح کی خواہش اور ارادہ، اپنی پسند کی عورت کا انتخاب اور عدل کر سکنے یا نہ کر سکنے کا فیصلہ حکومت کے کرنے کا کام نہیں افراد کی اپنی ذمہ داری ہے۔

اگر "قرآن میں کہیں اجازت نہیں" تو اس سورۃ کے نزول یعنی ۳ھ یا ۴ھ کے بعد حضور اکرمؐ نے اس آیت پر عمل کیسے کیا اور کیسے کرایا۔ تاریخ سے اس بات کا ثبوت تو ملتا ہے کہ جاہلیت کے رواج کے مطابق جس شخص کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں تھیں حضور اکرم نے اسے صرف چار رکھنے کا حکم دیا باقی بیویوں کو طلاق دلوا دی۔ اگر قرآن میں کہیں اجازت نہ ہوتی تو حضور اکرمؐ ایک بیوی کو رکھ کر باقی کو چلتا کرنے کا حکم دیتے۔ لہٰذا یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ کیا حضورؐ نے قرآن کا مفہوم سمجھا نہیں تھا؟ یا سمجھا تھا مگر جان بوجھ کر (معاذ اللہ) اس کی مخالفت کی تو دونوں صورتیں حضورؐ پر تہمت ہے اور اگر آج کا کوئی دانشور معلم قرآن سے قرآن کا مفہوم لینے کی بجائے مفکرین مغرب سے یا اپنی عقل سے نیا مفہوم لے تو وہ کم از کم قرآن پر اور قوم پر رحم فرماتے ہوئے ایسے نادر خیالات کو اپنی ذات تک محدود رکھے۔

۷۔ پھر فرمایا "قرآن کریم نے ایک سے زیادہ بیوی کی اجازت کو ایک خاص شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے اس کا مطلب واضح ہے کہ اس شرط کی عدم موجودگی میں وہ اجازت باقی ہی نہیں رہ سکتی

چنانچہ جہاں یتامیٰ کی حفاظت کا سوال درپیش نہ ہو وہاں قرآن کی رُو سے تعدد ازدواج کی اجازت ہی نہیں اس لئے اس کا ممنوع قرار دینا ضروری ٹھہرتا ہے۔"

پہلا سوال تو یہ ہے کہ یہ نکتہ چودہ صدیوں میں کسی مفسر، کسی محدث، کسی فقیہہ، کسی عالم کی سمجھ میں کیوں نہیں آیا۔ وہ اہل زبان بھی تھے، اہل لغت بھی تھے نحوی بھی تھے اصولی بھی تھے ان کی سمجھ میں یہ نکتہ نہ آیا اور انگریزوں کی غلامی میں زندگی بسر کرنے والوں اور انگریز کے دفتروں میں کلرکی کرتے کرتے عمر گزار دینے والوں کے ذہن میں یہ انمول موتی کیسے آگیا۔ چلئے علماء کو چھوڑیئے ایک سے ایک بڑھ کر خود معلم قرآن اور مزکی انسانیت کو یہ نکتہ کیوں نہ سوجھا کیا حضور اکرمؐ نے اس آیت کے نزول کے بعد تقریباً دس سالہ دورِ حکومت میں اسے ممنوع قرار دیا۔ کیا آپ کے شاگردوں نے اپنے دورِ خلافت میں اس کی ممانعت کا کوئی حکم جاری کیا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو آج کی کسی اسلامی حکومت کو کس نے یہ حق دیا ہے کہ وہ اسلام اور داعی اسلام کی روش سے بے نیاز ہو کر سفید فام آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے ایک خالص غیر اسلامی حکم نافذ بھی کرے اور اس پر لیبل اسلام کا لگائے پھر یہ شرط و جزا کا جال بھی دام ہم رنگ زمین ہے۔

ان تکفروا فان اللہ غنی عنکم۔ اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے یعنی اگر تم کفر نہ کرو تو اللہ بے نیاز نہیں ہے۔

اور ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا یعنی اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ اس سے بچ کے رہنا چاہتی ہوں یعنی اگر وہ بچ کے نہ رہنا چاہتی ہوں تو ان کو اس بازار میں بیٹھنے پر مجبور کرو۔ یہاں شرط و جزا کے مسئلے پر غور کیجیے۔

حقیقت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں تعدد ازدواج کی اجازت اور بیویوں کی تعداد کی کوئی قید نہ تھی۔ اس لیے یہ آیت بیویوں کی تعداد کو چار تک مقید کرنے کے لئے نازل ہوئی یہ قید پہلے موجود نہ تھی۔ اس سے ممانعت کا تاثر لینے کی کونسی وجہ ہے

۸۔ پھر فرمایا! عام طور پر تاریخ میں یہی ملتا ہے کہ رسولؐ کی نو ازواج مطہرات تھیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نو کی تعداد مجموعی تھی یکے بعد دیگرے ایک ایک کر کے کل تعداد نو تک پہنچی تھی۔ لیکن ایک وقت میں حضورؐ کی بیوی ایک ہی تھیں۔ لیکن بعض کے خیال کے مطابق قرآن کے متعلقہ حکم کے تحت حضورؐ کی ازواج مطہرات ایک وقت میں چار سے زیادہ نہیں تھیں۔ لیکن یہ بات اگر درست ہو کہ حضورؐ کی ازواج مطہرات نو تھیں تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ یہ شادیاں قرآن کا یہ حکم آنے سے پہلے عرب کی عام معاشرت کے مطابق ہوئی ہوں گی۔"

اس بارے میں خیال کی گواہی بے سود ہے خیال آرائیاں شاعری اور فلسفے میں ہوتی ہیں۔ واقعات کی دنیا میں حقائق پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ حضور اکرمؐ کے نکاح جو مختلف اوقات میں ہوتے رہے۔ ذیل کے نقشے سے واضح ہو جاتے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضورؐ کے یہ نکاح ہوئے

نام اُم المومنین	سنہ نکاح	سنہ وفات
۱۔ حضرت سودہؓ	سنہ ۱۰ نبوی	خلافت فاروقی کے آخری حصے میں
۲۔ حضرت عائشہؓ	سنہ ۱۰ ″	سنہ ۵۷ھ
۳۔ حضرت حفصہؓ	سنہ ۳ھ	سنہ ۴۱ھ
۴۔ اُم المساکین زینبؓ	سنہ ۳ھ	دو تین ماہ زندہ رہیں
۵۔ حضرت اُم سلمہؓ	سنہ ۴ھ	سنہ ۵۹ھ
۶۔ حضرت زینبؓ بنت جحش	سنہ ۵ھ	سنہ ۲۰ھ
۷۔ حضرت جویریہؓ	سنہ ۵ھ	سنہ ۵۶ھ
۸۔ حضرت اُم حبیبہؓ	سنہ ۶ھ	سنہ ۴۲ھ
۹۔ حضرت صفیہؓ	سنہ ۷ھ	سنہ ۵۰ھ
۱۰۔ حضرت میمونہؓ	سنہ ۷ھ	سنہ ۵۱ھ

اس نقشے سے ظاہر ہے کہ

سنہ ۱۰ نبوی میں حضورؐ کے نکاح میں دو بیویاں تھیں

سنہ ۳ھ میں ″ ″ ″ ۴ ″ ″

سنہ ۴ھ ″ ″ ″ ″ ۴ ″ ″

سنہ ۵ھ ″ ″ ″ ″ ۶ ″ ″

سنہ ۶ھ ″ ″ ″ ″ ۷ ″ ″

سنہ ۷ھ ″ ″ ″ ″ ۹ ″ ″

آیت کا زمانہ نزول سنہ ۴ھ یا سنہ ۵ھ بتایا جاتا ہے اور سنہ ۵ھ میں حضورؐ کے نکاح میں چھ بیویاں تھیں مگر آپ نے کسی کو طلاق نہیں دی۔ اسی طرح اگلے سال ایک اور نکاح کیا اور اس سے اگلے سال دو اور نکاح کر لیے۔ یہ ہیں واقعات یہاں بعض لوگوں کا خیال کیا کر سکتا ہے۔

ہم پھر پلٹ کر اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ قرآن حکیم نے صرف الفاظ کے بعض تاج العروس پر بھروسہ کر کے ان الفاظ کا مفہوم متعین کرتے اور اس مفہوم کے مطابق عملی صورت متعین کرنے میں اپنی خواہش یا پسند پر بھروسہ کر لینا قرآن کریم سے حد درجہ کی ناانصافی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کے الفاظ، ان الفاظ کے مفہوم اور اس مفہوم کے مطابق عملی شکل کے بارے میں معلم قرآن اور اس آخری مزکی پر اعتماد کرنا چاہیے اور قرآن کے مطابق عملی نمونہ تلاش کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ کی روش پیش نظر رکھنی چاہیے۔ اور ذہنی مرعوبیت کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ اور دین کے بارے میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنا اپنے دین کے متعلق بے یقینی کی دلیل ہے

آخر میں پورے وثوق سے دیانتدارانہ رائے یہ ہے کہ مروجہ عائلی قوانین کو قرآن و سنت کے منافی قرار دینا دراصل اس عہد کے ایفا کی ایک صورت ہے جو مسلمانوں نے تقسیم ملک کے وقت اپنے اللہ سے کیا تھا۔ ع

بحق دل بند و راہ مصطفیٰ گیر

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر لکھنا ضروری ہے ورنہ تعمیل مشکل ہو گی۔ (ایڈیٹر)

(ادارہ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کے

ایک نصیحت آموز اور ترغیبی خط کا خلاصہ

۱- اس وقت ایک غلط فہمی اور شیطانی فریب کو دور کرنا ہے جو میرے دل کا زخم بنا ہوا ہے جسکو آپ کی تحریر نے چھیڑ دیا ہے۔ اس کے دو جزء ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ نے تبلیغ کے کام سے اپنے آپ کو فارغ سمجھ لیا ہے۔ دوسرے یہ کہ تبلیغی مشغولی میں ذکر کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی جتنی فارغ کو ہوتی ہے (ص ۲)

۲- (شیطان نے) اس کام (تبلیغ) سے براہ راست کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ کام کے ظاہرہ جسم کو خوب موٹا تازہ ہونے دیا لیکن چور دروازے سے گھس کر حفاظتی قلعہ اور کام کی روح پر ایسی چالاکی سے حملہ کیا کہ خود تبلیغ والے تبلیغ کی زندگی اور پھیلاؤ کو اس کی روح کے مرجانے میں منحصر سمجھنے لگے اور غیر شعوری طور پر یہ احساس ہو گیا کہ جو قوت اور وقت فضول سے بچاؤ کی چیز اور روح کی تازگی میں خرچ ہوتا ہے وہ بھی جسم پر ہی خرچ ہونا چاہیئے۔ اور اس خطرناک اور مہلک غلطی پر پردہ ڈالنے کے لئے روح کا نام اور حفاظتی قلعہ کا فقط نام باقی رکھا جاتا ہے۔ وہ روح اور حفاظتی قلعہ کیا ہے۔ ذکر اللہ ہے۔ جو ساری عبادات نماز۔ جہاد وغیرہ اور تبلیغ کے چھ نمبروں کی بھی روح ہے (ص ۵،۶)

۳- شیطان نے نہ صرف اس روح کو کمزور کرنے کی کوشش کی بلکہ اس کے وجود کی مخالفت کرنے پر آمادہ کر دیا اور اور اپنی اس ناپاک سکیم میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ذکر اللہ کے متعلق ایک علمی اور ایک وہمی دھوکا دیا۔

۴- حضرت دہلوی کے الفاظ "فرائض میں لگن حتی کہ نماز پڑھنا بھی اگر اللہ کے اوامر اور مواعید کے دھیان کے ساتھ نہ ہو تو اصلی ذکر نہیں بلکہ جوارح کا ذکر ہے اور قلب کی غفلت ہے" (ص ۸)

۵- حاصل یہ کہ فرائض وغیرہ کے ذکر ہونے کا مدار قلب کی اصلاح اور اس کے ذاکر ہونے پر ہوا۔ لہذا قلب کی اصلاح ظاہری اعمال کی اصلاح کے لئے شرط ہوئی اور مقدم ہوئی (ص ۸)

۶- الحاصل حقیقی اور اعلیٰ کا نام لے کر اس کے حصول کا ذریعہ معروف لسانی اذکار سے غفلت کرادی جاتی ہے تاکہ نہ ادنی ہاتھ میں رہے نہ اعلیٰ حاصل ہو۔ (ص ۹)

۷۔ حضرت دہلویؒ کا ایک مکتوب ہدایت نمبر ۷ جو ذکر بارہ تسبیح کر رہے ہیں ان کو آمادہ کرو کہ وہ ایک ایک چلّہ رائے پور جا کر گزاریں (روحانی تربیت کے لئے) ہدایت ۱۱: میرے دوستو تمہارے نکلنے کا خلاصہ تین چیزوں کو زندہ کرنا ہے۔ ذکر۔ تعلیم۔ تبلیغ (ص۱۱)

۸۔ حضرت دہلویؒ کا ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :۔ اگر تبلیغ کی کوشش کے ساتھ ساتھ ذکر پر مداومت رکھو گے تو ان شاء اللہ عجیب وغریب برکات دیکھو گے۔
(کیا یہ تبلیغی کوشش خود ذکر نہ تھی کہ حضرت نے ان کو ذکر لسانی کی طرف متوجہ فرمایا۔ شیخ الحدیث)

۹۔ حضرت دہلویؒ نے پوری جماعت کو کہلوایا :۔ "آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بیکار رہو گی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا اہتمام آپ نے نہیں کیا (ص۱۲)

۱۰۔ پھر فرمایا۔ " علم وذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس کا ہمیشہ خاص اہتمام رکھا جائے ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک بھی ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی۔ (جس سے ڈرتے تھے وہی بات ہوئی۔ مرتب) اور خدانکردہ آپ لوگ سخت خسارے میں رہیں گے (ص۱۲)

۱۱۔ پھر فرمایا :۔ علم دین اور ذکر اللہ کے اہتمام کے بغیر نکلنا کچھ بھی نہیں۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ علم وذکر میں یہ مشغولیت اور اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کی زیر نگرانی اور زیر ہدایت ہو۔ (غور کریں کہ یہ نگرانی اور رہنمائی میں تکمیل کرنا اور ذکر لینا وغیرہ الفاظ کے کیا معنی ہیں کیا یہ سب صرف تین تسبیح سیکھنے کے لئے ہوتا ہے یا سلوک وتصوف وتزکیہ میں ہوتا ہے۔ (شیخ الحدیث)

۱۲۔ فرمایا کرتے تھے کہ "دین کا کام کرنے والوں کو چاہیئے کہ گشت اور چلت پھرت کے طبعی اثرات کو خلوت کے ذکر وفکر کے ذریعے دھویا کریں (ص۱۲)

۱۳۔ پھر فرمایا : علم وذکر کا کام ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضے میں نہیں آیا اس کی مجھے بڑی فکر ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو (تبلیغیوں کو) اہل علم اور اہل ذکر کے پاس بھیجا جائے اور ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں اور ان کے علم وصحبت سے مستفید ہوں (ص۱۲)

۱۴۔ پھر فرمایا :۔ مولانا ہماری تبلیغ میں علم وذکر کی بڑی اہمیت ہے۔ بدوں علم کے نہ عمل ہو سکے نہ عمل کی معرفت اور بدوں ذکر کے علم ظلمت ہی ظلمت ہے اس میں نور نہیں ہو سکتا۔ مگر ہمارے کام کرنے والوں میں اس کی کمی ہے۔ (ص۱۲)

۱۵۔ اللہ کی شان :۔ کہ موجودہ تبلیغی طریقہ کے ائمہ تبلیغ جس جزو یعنی چلت پھرت دعوت واختلاط ہی کی وجہ سے ذکر کو نہایت ضروری اور مستی کو نہایت خطرناک فرما رہے ہیں تو اس جزو کے بڑھ جانے

سے ذکر کی ضرورت بھی زیادہ محسوس ہونا چاہیئے تھی۔ دیہات میں کام کرنے والوں کی نسبت شہروں میں کام کرنے والوں کو زیادہ ذکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ دیسی شہروں میں کام کرتے والوں کی نسبت یورپین شہروں میں زیادہ ضرورت ہے۔ لیکن آج اللہ کے فضل سے اس جزو یعنی دعوت کے پھیلاؤ کے بڑھ جانے کو ذکر چھوڑنے کا عذر قرار دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ذکر کرنے والوں کے اکثر خطوط آتے ہیں اور زبانی بھی پوچھتے ہیں کہ چلہ میں جانے سے ذکر نہیں ہو سکا۔ وقت نہیں ملتا ان کو سمجھا دیا جاتا ہے (کون سمجھاتا ہے؟ کوئی بھائی صاحب ہی ہوں گے) کہ یہی دعوت کا کام حقیقی ذکر ہے۔ یہ ذکر سے بڑھ کر ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ (ص ۱۶)

۱۶۔ تقسیم ملک کے بعد جب جماعت میں فعال قسم کے بہترین دماغ اور تشکیلی صلاحیت رکھنے والے بابوؤں اور نوجوان بھائی صاحبان کی کثرت ہو گئی تو کام کا پھیلاؤ تیزی سے شروع ہو گیا مگر یہ طبقہ ذکر کی لذت سے نا آشنا تھا اس لیئے شیطان کو اپنے بچاؤ کے قلعہ کو توڑنے اور کام کی روح پر حملہ کرنے کا موقع مل گیا ۔۔۔ اور ذکر کی افادیت سے نا آشنا طبقہ کے غالب آجانے سے ذکر کی آواز دب گئی ۔ (ص ۲۰-۲۱)

۱۷۔ یہ پھیلاؤ تبلیغی چھ نمبروں والے کام کا پھیلاؤ نہیں بلکہ اس نام سے کسی دوسری چیز کا ہے جو کہ اصل کام کے لئے فتنہ ہے اور اگر ذکر چھوڑنے کا کوئی اور جواز اور راستہ مل جائے تو اس پر فوراً لپکتے ہیں ۔ اور ذکر کا نام لینا بھی جرم سمجھتے ہیں اور اپنے کو ذاکر کہلانے سے ڈرتے ہیں اور عام حالات میں چونکہ ذکر تبلیغ کے بنیادی نمبروں میں تھا اور تبلیغی نصاب میں فضائل ذکر بھی شامل تھا ۔ اس لیئے اس کے نام کو باقی رکھنا ضرور ہوا ۔ تو دعوت ہی کو اپنی ذاتی اصلاح اور حقیقی ذکر قرار دینے کا فریب کامیاب ہو گیا (ص ۲۲)

۱۸۔ اب یہاں تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ کھلم کھلا ذکر اور خانقاہوں کی مخالفت ہو رہی ہے ۔ (ص ۲۳)

۱۹۔ ایک کالج کے طالب علم نے حضرت رائے پوری کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا تو رائے ونڈ کے بعض ذمہ داروں نے اس کو روکنے کی بہت کوشش کی لیکن جب وہ ان کی کوشش کے باوجود وہاں گیا تو رائے ونڈ کے ذمہ دار حضرات بہت ناراض ہوئے (محمد اقبال)

۲۰۔ شیخ الحدیث کا خط اس طالب علم کے نام: اس سے بہت مسرت ہوئی کہ آپ لاہور حضرت رائیوری کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ آپ نے بہت اچھا کیا ۔ ۔ ۔ بھائی عبد الوہاب یا کسی دوسرے کی ناراضگی کا اس میں بالکل خیال نہ کریں ۔ (ص ۲۴)

۲۱۔ بندہ کی طرف سے بھائی عبد الوہاب صاحب گمتھلہ والوں سے مطالبہ کریں کہ رائے ونڈ والوں نے ایسا کیوں کیا ۔ (ص ۲۵)

الشیخ الحدیث نے ذکر کے مخالفین میں بابوؤں اور بھائی صاحبان کا نام کثرت سے لیا ہے۔
یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد بھائی عبدالوہاب ہی ہیں)

۲۲۔ اللہ کے بندو! ذکر تو تمہارے بنیادی اصولوں میں سے ہے اس کی تمہارے اکابر کی طرف سے سخت تاکید ہے۔ ذکر کے بغیر حقیقت میں تم خود ناقص تبلیغی ہو (ص ۲۶)

۲۳۔ ایک عالم صاحب نے اسم ذات کے ذکر کے متعلق سوال کیا کہ دلیل کہاں ہے۔
حضرت جی (مولانا انعام الحسن) نے فرمایا قرآن میں ہے وہ سُن کر حیران ہو گیا کہ قرآن میں ہے!
حضرت جی نے آیت پڑھ دی۔

واذا ذکر اللہ وحدہ اشمأزت قلوب الذین لا یومنون بالاخرۃ

"یعنی جب نام لیا جائے۔ خالص اللہ کا رُک جاتے ہیں دل ان کے جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے (بھائی صاحب توجہ فرمایئں) عالم پر سکتہ طاری ہو گیا . . . . راقم الحروف نے اس سے بھی آسان جواب دیا اور مخاطب چپ ہو گیا کہ واذکر اسم ربک۔ رب کا نام کیا ہے لفظ مبارک اللہ ہی تو ہے یہی اسم ذات ہے۔ یا کچھ اور۔ (ص ۳۳)

۲۴۔ بندہ کے نزدیک ظاہری اسباب جو بھی ہوں اصل میں یہ ذکر اللہ کی بے ادبی اور مخالفت کی سزا ہے (عرب میں کام بند ہونا) لہٰذا توبہ کی ضرورت ہے اور تلافی کرنے پر فضل کی اُمید ہے۔ (ص ۳۴)

★

- جس شخص کے اندر یہ تین باتیں ہوں اس کی صحبت کو غنیمت سمجھو ایک یہ کہ فقیہہ ہو۔ دوسرے محدث تیسرے صوفی۔

- محبت حق پیدا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ محبت کرنے والوں کے پاس بیٹھنا شروع کر دے۔

- سلوک کا مدار اسی پر ہے کہ نفس کو شہوات سے روکا جائے جس میں معاصی سے تو بالکلیہ ہی روکنا ضروری ہے اور مباحات کی بھی تقلیل ضروری ہے (ا۔ ع ست)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

فضائل حضرت سیدنا

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ

شیعہ کتب کی روشنی میں!

ابوالاحسن
محمد محبوب الہٰی
رضوی۔

اللہ تعالےٰ عزوجل نے اپنے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وصحابہٖ وسلم کو آخری نبی کی حیثیت سے معبوث فرمایا تو زمانہ کے بہترین افراد کو آپ کی صحابیت کا شرف بخشا۔ وہ آپ کی محبت میں سرشار رہتے۔ اسلام کی خاطر اپنی جان و مال نثار کرنا ان کا شعار تھا۔ بے شمار تکلیفوں اور رکاوٹوں کے باوجود وہ اسلام کی سربلندی کے لئے مصروف جدوجہد رہتے تھے اللہ تعالےٰ کا فضل وکرم ان کے شاملِ حال تھا۔ وہ اسلام کا پرچم لے کر چہار طرف بڑھتے چلے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور مخالفوں کی سازشوں کا قلع قمع کر دیا گیا۔

آپ کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو اشاعتِ اسلام اور مملکت کی حدود میں مزید وسعت ہوتی گئی عساکر اسلام کی یلغار کی تاب مقابلہ نہ لاکر ہزیمت خوردہ قوتوں خصوصاً یہودیوں اور مجوسیوں نے مسلمانوں میں اندرونی خلفشار پیدا کرنے کے لئے سازشیں شروع کر دیں۔ انہی لوگوں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس وقت شہید کر دیا جب آپ مسجد نبوی میں نماز کی امامت فرما رہے تھے۔ پھر یہ سازش بدباطن عبداللہ بن سبا مسلم نما یہودی منافق کی تحریک سے کھل کر سامنے آگئی اور حضرت عثمانؓ ذوالنورین پر جھوٹے الزامات لگانے کے بعد ان کو بحالت روزہ و قرآن خوانی اور کئی دن ان کے مکان میں محبوس رکھنے کے بعد شہید کر دیا اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کر کے آپس میں قتل و قتال تک نوبت پہنچا دی حضرت علی رضہ کے زمانہ خلافت میں قریباً پچاسی ہزار مسلمان شہید ہو گئے۔ فتوحات اور تبلیغ کا سلسلہ رُک گیا۔ سبائیوں کے لیے یہ امر باعث مسرت تھا اس کے باوجود وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے جذبہ ایمانی سے بے خبر نہ تھے اساطین اسلام کو قتل کرنے کا منصوبہ تیار کیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسجد کوفہ میں داخل ہوتے ہوئے مضروب کر دیا گیا اور وہ شہید ہو گئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، زخمی ہوئے اور بچ گئے عمرو بن العاص کی جگہ دوسرے بزرگ شہید ہو گئے حضرت حسنؓ کو حضرت علیؓ کا جانشین بنایا گیا تو آپ کی بصیرت نے حالات کی نزاکت کے پیش نظر

زمام خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے مسلمانانِ عالم کو پھر متحد کر دیا۔ نصرت الٰہی سے تبلیغ اسلام اور فتوحات کا سلسلہ پھر جاری ہو گیا۔ اسلام کی دھاک دُنیا بھر میں بیٹھ گئی۔ اب انتشار پسند عناصر نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اسلام میں ایک نئے فرقہ کا آغاز کر کے مسلمانوں کو مذہبی رنگ میں برسرِ پیکار کر دیا اس نئے فرقے کا کام بزرگانِ اسلام پر طعن کرنا تھا۔ ان کا یہ محاذ بظاہر کامیاب ہوا لیکن اللہ تعالےٰ کی قدرت اور حضور اکرم کا دائمی معجزہ ہے کہ جب کبھی ان لوگوں نے ناشائستہ جذبات کا اظہار کیا تو ان ہی کی زبان و قلم سے ان حضرات کے بارے میں کچھ کلماتِ خیر بھی وجود میں آ گئے۔ اگرچہ ان کی کتب ہمارے لئے کسی بھی درجہ میں قابل قبول نہیں لیکن ہمارے واجب الاحترام بزرگوں کے بارے میں جو کلماتِ خیر ان میں درج ہو گئے ہیں وہ مخالفین پر حجت اور ہمارے لئے اضافۂ محبت و عزت کا باعث ہیں۔ لہٰذا اسی جذبۂ نیک کے ماتحت افضل البشر بعد الانبیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں مخالفین کی کتب سے کچھ کلماتِ حسنہ اکٹھے کر کے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ (ابو الاحسن محمد محبوب الٰہی رضوی)

مُسلم اوّل

آیت :- والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار کی تفسیر کرتے ہوئے مشہور و معروف شیعہ عالم علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان میں لکھتے ہیں :- کہ سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں اور اس کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایمان لائے۔

(بحوالہ کتاب مقام صحابہؓ حکیم فیض عالم صـ۲۰)

آیت : ان من اسلم کے تحت لکھتے ہیں "حضرت خدیجہؓ کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے"

(تفسیر مجمع البیان جلد ۳/ ۶۵ بحوالہ مقام صحابہؓ صـ۲۱)

آیت : لاریب ان الصحیح ان علیا کان ھو السابق و ان ابا بکر ھو اول من اظہر اسلامہ۔

"بے شک یہ درست ہے کہ گو علی رضی اللہ عنہ نے پہلے اسلام قبول کیا لیکن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اسلام ظاہر کیا"

(شرح نہج البلاغۃ مولفہ عبد الحمید بن ابی الحدید شیعہ جزء ۴/ ۱۲۲)

عن ابراہیم النخعی قال اوّل من اسلم ابو بکر

ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام لائے (شرح نہج البلاغۃ جزء ۴/ ۱۳)

عن ابی نضر قال ابو بکر لعلی انا اسلمت قبلک فی حدیث ذکرہ فلم ینکرہ علیہ۔

ابو نضر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ سے پہلے مسلمان میں ہوا تھا تو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس کا انکار نہ کیا۔

مبلّغ اوّل :-

چوں صدیق مسلمان شد روز دیگر ابو عبیدہ بن الجراح۔ ابو سلمہ مخزومی عثمان بن مظعون وارقم بن ارقم را بخدمت سید الثقلین آورد تا مومن و موحد و مسلمان شدند۔

(ناسخ التواریخ ۲/ ۵۶۱ - روضۃ الصفا ۲/ ۳۴)

یعنی جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ مسلمان ہوئے تو دوسرے دن ہی آپ (حضرات) ابو عبیدہ بن جراح ابو سلمہ عثمان بن مظعون وارقم (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لائے تاکہ
انہیں مومن مسلمان موحد فرمادیں (حملہ حیدری صلہ)

شد اصحاب خاص رسول امین ٭ ازو دین برافروخت دین مبین
ابوبکرؓ صدیق و فاروقؓ دید ٭ شدہ جان فدائے رسول امینؐ

ترجمہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب خاص جن کے ذریعہ دین اسلام کو ترقی ہوئی (یعنی تبلیغ ہوئی) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت فاروق رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے رسول امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جان فدا کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔

صدیق:

"ہم پہاڑ پر حضور اکرم علیہ السلام کے ہمراہ تھے کہ اچانک پہاڑ ہلنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہاڑ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ آرام پکڑ تجھ پر ایک نبی (خود) صدیق (ابوبکر رضی اللہ عنہ) شہید (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے سوا کوئی نہیں۔

(احتجاج طبرسی)

جیسا کہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک مرد ہیں کہ اللہ نے نبی کی زبان سے ان کا نام صدیق رکھوایا۔

چوں صدیق مسلمان شد

یعنی جب ابوبکر صدیق مسلمان ہوئے

(ناسخ التواریخ ۵۲۳ روضۃ الصفا ۲)

حضرت امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا تلوار کو چاندی چڑھانا جائز ہے تو آپ نے فرمایا ہاں جائز ہے۔ کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تلوار کو چاندی چڑھائی تھی

اس پر راوی نے متعجب ہو کر عرض کیا۔ آپ ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں؟ تو امام نے اپنی جگہ سے اٹھ کر فرمایا:۔

نعم الصدیق۔ نعم الصدیق فمن لم یکن لہ الصدیق فلا صدق اللہ قولہ فی الدنیا والاخرۃ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ مطبوعہ ایران ص۲۲)

ترجمہ: "ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں۔ جو ان کو صدیق نہ کہے خدا تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی بات سچی نہ کرے"

دوران ہجرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انت صدیق

(تفسیر قمی ص۲۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر، تم صدیق ہو

والذی جاء بالصدق وصدق بہ (آیت پارہ ۲۴ کی تفسیر

قیل الذی جاء بالصدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وصدق بہ ابوبکر۔

یعنی جاء بالصدق سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدق بہ سے مراد ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں

(تفسیر مجمع البیان جلد ۴۹۸/۴)

جناب جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۴۹ھ سے روایت ہے کہ جناب ابوبکر میرے نانا ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے کوئی شان اور عزت نہ دے اگر میں صدیق کی عزت و عظمت و تعظیم و تکریم کو تسلیم نہ کروں (احقاق الحق ص۵)

نیز فرمایا: ولدنی الصدیق مرتین (احقاق الحق ص)

یعنی صدیق نے مجھے دو دفعہ جنا جس کی تشریح یوں ہے

مادرش ام فروہ دختر قاسم بن محمد بن ابوبکر بود و مادر

اُمِ فروہ اسماء دختر عبدالرحمٰن ابوبکر لود ر رضی اللہ تعالیٰ عنہما)
(جلاء العیون۔ صافی شرح اصول کافی۔ کشف الغمہ احتجاج طبرسی)

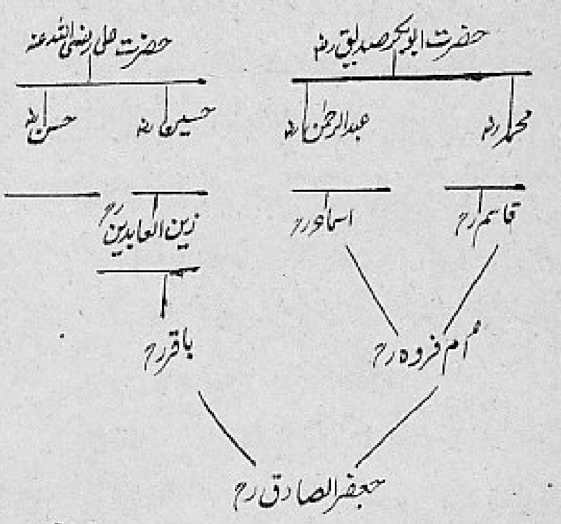

" خلافت راشدہ کا انداز حکومت " کے زیر عنوان پہلے چار خلفاء کا تذکرہ اس ترتیب سے کیا گیا ہے:۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(الفخری اردو صد ۳۲ مؤلفہ محمد علی ابن علی ابن طباطبا (ترجمہ محمد جعفر شاہ پھلواری)

تقویٰ اور مالی وجانی قربانی:

آیت شریفہ:۔ وسیجنبہا الاتقی الذی یوتی مالہ یتزکیٰ کی تفسیر عن ابن زبیر قال ان الایۃ نزلت فی ابی بکر لانہ اشتری المما لیک الذین سلموا مثل بلال و عامر بن فہیرۃ وغیرھما واعتقھم۔
(تفسیر مجمع البیان علامہ طبرسی)

یعنی ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت شان ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نازل ہوئی۔ انہوں نے غلاموں کو جو اسلام لائے اپنے مال سے خرید کر جیسا کہ بلال اور عامر بن فہیرہ اور ان کو آزاد کیا۔ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتقیٰ (بڑا متقی) فرمایا کہ وہ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں محض پاکیزگی کے لیے خرچ کرتا ہے اُسے کوئی دنیاوی طمع نہیں۔

حدیث شریف میں ہے: ان احسن الناس علی صحبتہ ومالہ ابوبکر ابن ابی قحافہ (تاریخ التواریخ مطبوعہ تہران)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ رفاقت اور اپنے مال سے ابوبکر نے احسان کیا۔

ابوبکر بن ابی قحافہ پیرے بود از بزرگان قریش با دولت و حشمت مالہا در راہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایثار کردہ وجان برکف نہادہ (سیر الآئمہ جلد ۲ صد ۱۳)

ترجمہ:۔ ابوبکر بن ابی قحافہ قریش کے سن رسیدہ بزرگوں میں سے تھے جو دولت وحشمت کے مالک تھے اور انہوں نے اپنا مال نبی علیہ السلام کی ذات پر قربان کر دیا اور آپ کے لئے اپنی جان ہتھیلی پر رکھے خدمت میں رہے۔

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے ابوبکر ابوذر اور سلمان فارسی رضوان اللہ علیہم کے بارے میں فرمایا۔

من ازھد من ھؤلاء وقد قال فیھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

یعنی ان تینوں سے زیادہ کون زاہد ہے (فروع کافی جلد دوم)

نبی علیہ السلام غار میں حضرت ابوبکر کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے۔ کسی سوراخ سے سانپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو ڈسا مگر وہ یار غار اُف تک زبان پر نہ لائے۔

(ثبوت نبوت ڈاکٹر نور حسین صد ۳۱ بحوالہ مقام صحابہ صد ۶۲)

مصاحب رفیق ہجرت:

وبہمہ حال رفتن محمد بیرون ابوبکر بے فرمانِ خدا نبود۔

(مجالس المومنین مجلس پنجم)

بہرصورت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے جانا بغیر حکم خدا نہ تھا۔

جبرائیل علیہ السلام نے کہا: ترا امر کردہ است کہ ابوبکر را ہمراہ خود ببری۔ (حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۳۱)

اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالےٰ نے آپ کو حکم فرمایا ہے کہ (ہجرت میں) ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لو۔

اللہ تعالےٰ نے حضور اکرم کو بذریعہ وحی حکم فرمایا:۔

وامرک ان تستصحب ابوبکر رض

کہ ہجرت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا مصاحب بناؤ۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور فرمایا:۔

ارضیت ان تکون یا ابوبکر تطلب کما اطلب و تعرف بانک انت الذی تحملنی علی ادعیۃ فتحمل علی انواع العذاب۔

اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کیا تم راضی ہو کہ میرے اس سفر ہجرت میں میرے ہمراہی ہو کہ جس طرح کفار قریش مجھے قتل کرنے کے لئے تلاش کریں اسی طرح تم کو بھی قتل کے لئے تلاش کیا جاوے اور یہ بھی مشہور ہو جائے کہ تم نے ہی مجھے اس کام پر آمادہ کیا ہے جس کا میں دعویٰ کرتا ہوں اور میری رفاقت کے سبب تم پر بھی طرح طرح کے عذاب ہوں۔

جواباً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ انا لو عشت عمر الدنیا اعذب فی جمیعھا اشد اللہ العذاب لا ینزل علی موت مریح ولا فرج یتیح وکان ذلک فی محبتک لکان احب الی من ان اتنعم فیھا وانا مالک لجمیع ممالیک ملوکھا فی مخالفتک وما اھلی وولدی الا فداءک

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تو وہ شخص ہوں کہ آپ کی محبت کی خاطر سخت ترین بلاؤں میں گرفتار ہو جاؤں اور قیامت تک ان میں پھنسا رہوں تو یہ میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ آپ کو چھوڑ کر دنیا کی سلطنت قبول کر لوں۔ میرے جان و مال اور اہل و عیال سب کے سب آپ پر قربان ہوں۔

حضور اکرمؐ نے خوش ہو کر فرمایا:۔

لا جرم ان اطلع اللہ علی قلبک ووجد ما فیہ موافقا لما جری علی لسانک جعلک منی بمنزلۃ السمع والبصر والرأس من الجسد وبمنزلۃ الروح من البدن

(تفسیر امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ)

ترجمہ: تحقیق اللہ تعالےٰ تیرے دل پر مطلع ہوا اور اس نے تیرے دل کی بات تیری زبان کے موافق پائی۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے تجھ کو میرے لیے صادق المحبت راسخ الاعتقاد جان نثار وفادار اور کامل مومن پایا۔ بالیقین اللہ تعالےٰ نے تجھ کو بمنزلہ میرے سمع و بصر کے بنایا اور تجھ کو میرے ساتھ وہ نسبت ہے جو کہ سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے ہوتی ہے۔

ثانی اثنین اذ ھما فی الغار کی تفسیر میں امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہجرت کا سفر مشکلات ایذاؤں اور صعوبتوں کا سفر تھا اس لئے اللہ تعالےٰ نے ہجرت میں رفاقت سفر کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو منتخب فرمایا

(تفسیر حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ)

لاتحزن ان اللہ معنا کے زیر تشریح حضرت امام جعفر
صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جب نبی علیہ السلام غار میں تھے
تو آپ نے فرمایا میں ایک کشتی دیکھ رہا ہوں جس میں جعفر اور
اس کے ساتھی ہیں (ہجرت حبشہ)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ
کیا آپ انہیں دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا ہاں۔ صدیقؓ نے عرض کیا
یا رسول اللہ مجھے بھی دکھا دیجئے تو نبی علیہ السلام نے ان کی آنکھوں
پر مسح کیا پس صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی جعفر اور ان کے
ساتھیوں کو دیکھ لیا (ترجمہ تفسیر قمی مطبوعہ ایران ص۱۰۱)

شب ہجرت جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے
مبارک زخمی ہو گئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا (حملہ حیدری سے مختصراً)
بہ تغیر الفاظ یہی مضمون دیکھئے:
(غزوات حیدری۔ مرزا بادل)

افضلیت و فضائل :- ولا یأتل اولو الفضل منکم

(آیت سورۃ نور) کے ضمن میں یہ آیت ابو بکر رضی اللہ عنہ
و مسطح رضؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ مسطح آپ کا غریب رشتہ دار
تھا جس کی وجہ سے آپ اسے ہمیشہ کچھ وظیفہ دیا کرتے تھے
واقعہ افک کے بعد انہوں نے وظیفہ بند کر دیا تو اللہ تعالیٰ
نے فرمایا کشائش والے اور فضل والے (یعنی حضرت ابو بکر
صدیق) لوگ اپنے رشتہ داروں سے ہاتھ نہ کھینچیں۔
(تفسیر مجمع البیان ۱۲۲/۴)

ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم قد افلح من
زکھا، الذی جاء بالصدق وصدق بہ کی تشریح

ہیں۔ ان احسن الناس علیّ صحبتہ و مالہ ابو بکر
(ناسخ التواریخ جلد الکتاب ۲ صفحہ ۵۲ مطبوعہ تہران)
ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے
زیادہ رفاقت اور احسان اپنے مال سے مجھ پر حضرت
ابو بکر صدیق رضؓ نے کیا ہے۔

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
ما سبقکم ابو بکر بصوم ولا صلوٰۃ ولکن
لشیء قد خبئہ صدرہ۔
(مجالس المومنین ص۸۹ طہران نور اللہ شوستری)
یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سبقت و فضیلت
صوم و صلوٰۃ سے ہی نہیں بلکہ ان کے دل کی عقیدت
و اخلاص کا ثمرہ ہے۔

امام محمد تقی رحمۃ اللہ عنہ فرماتے ہیں "میں حضرت عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کا منکر نہیں لیکن ابو بکر صدیق
فاروق اعظمؓ سے افضل ہیں۔ (ترجمہ احتجاج طبرسی ص۲۵۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-
لی وزیران من اہل السماء جبرائیل ومیکائیل
ووزیران من اہل الارض ابو بکر وعمر رضوان اللہ
تعالیٰ اجمعین۔

آسمان والوں میں میرے دو وزیر جبرائیل و میکائیل ہیں
اور زمین والوں میں دو وزیر (حضرت) ابو بکر و عمر (رضی اللہ
تعالیٰ عنہ) ہیں) (الحدیث (الفخری اردو ص۳۱۷)

حضرت علی و زبیر (رضوان اللہ علیہم) نے فرمایا کہ ہم
نے سوائے اس مشورہ کے کوئی اور فیصلہ نہیں کیا کہ ابو بکر

"ابوبکر احق الناس بھا انہ لصاحب الغار وانا لنعرف لہ سنہ ولقد امرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالصلوٰۃ وھو حی" ۔

(شرح نہج البلاغۃ جز دوم ۲/۷۵)

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنوں میں سے یقیناً سب سے زیادہ (خلافت) حقدار جانتے ہیں کیونکہ وہ صاحب غار ہیں ہم ان کے خصائل سے واقف ہیں (خصوصاً) جب کہ حضور اکرم نے اپنی حیات مبارک میں ان کو امامت نماز کا حکم فرمایا تھا

حضرت امام جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے حضرات ابوبکر صدیق و عمر فاروق (رضی اللہ تعالےٰ عنہما) کے بارے میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا۔

ھما امامان عادلان قاسطان کانا علی الحق وماتا علیہ فعلیھما رحمۃ اللہ یوم القیامۃ۔

(رسالہ اول تقیہ مؤلفہ سید محمد مجتہد)

وہ دونوں (ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ) امام عادل و منصف تھے اور حق پر تھے اور حق پر ہی وہ فوت ہوئے بروز قیامت ان پر اللہ تعالےٰ کی رحمتیں ہوں گی۔

بیعت رضوان کے سلسلہ میں کسی کو اختلاف نہیں کہ وہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قصاص کے سلسلہ میں ہوئی اور حضرات ابوبکر عمر علی دیگر قریباً چودہ سو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے یہ بیعت کی تو ان کے لئے۔ آنحضرت فرمود بدوزخ نرود یکے ازاں مومناں کہ او زیر شجر بیعت کردند و آں را بیعت رضوان نام نہادہ اند و بجہت آں کہ حق تعالےٰ در حق ایشاں فرمود لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ

(خلاصۃ المنہج علامہ کاشانی)

ترجمہ:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والے سب کے سب جنتی ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ نے انہیں رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا خطاب دیا۔

(ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شمولیت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں)

دراں روز ہزار و چہار صد کس بودیم دراں روز من از حضرت شنیدم کہ آنحضرت خطاب بحاضران فرمودہ کہ شما بہترین اہل روئے زمین اند وما ہمہ دراں روز بیعت کردیم وکسے از اہل بیعت نکث نمود مگر جد بن قیس کہ آں منافق بیعت خود را شکست (")

یعنی جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ اس دن ہم چودہ سو صحابہ تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم تمام روئے زمین کے رہنے والوں سے بہتر ہو۔ ہم نے اس دن بیعت کی اور ان میں سے کسی نے بیعت نہیں توڑی ماسوائے جد بن قیس منافق کے۔

طائفہ از معارف کوفہ با زید بیعت کردہ بودند در خدمتش حضور یافتہ گفتند رحمک اللہ در حق ابوبکر و عمر چہ گوئی؟ فرمودہ دربارہ ایشاں جز بخیر سخن نکنم و از اہل خود نیز در حق ایشاں جز سخن خیر نشنیدہ ام۔۔۔ بالجملہ زید فرمود ایشاں را بر کسے ظلم و ستم نرانند و بکتاب و سنت رسول کار کردند۔

(ناسخ التواریخ از مرزا تقی لسان الملک ہلا)

(صاحب عمدۃ الطالب تحت اخبار زید نے اس کی توثیق کی)

یعنی کوفہ کے مشہور ترین لوگوں کے گروہ نے جس نے حضرت زید (ابن زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ) سے بیعت کی تھی

حاضر خدمت ہو کر عرض کیا اللہ آپ پر رحمت فرمائے ۔ ابوبکر اور عمر رض کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا میں ان کے حق میں سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہیں کہتا ۔ اور اپنے اہل خاندان سے بھی میں نے ان کے بارے میں سوائے کلمہ خیر کے کچھ نہیں سُنا ۔ ۔ ۔ حاصل یہ کہ حضرت زید نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ نے کسی پر ظلم و ستم نہیں کیا اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ پر کاربند رہے ۔

ثم ان المسلمین من بعدہ استخلفوا بہ امیرین الصالحین عملاً بالکتاب والسنۃ واحسنا السیرۃ ولم یعدوا السنۃ ۔

پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد مسلمانوں نے دو نیک امیروں کو آپ کا جانشین (خلیفہ) مقرر کیا جنہوں نے اللہ تعالٰے کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا اچھی خصلت اختیار کی اور سنت سے تجاوز نہ کیا (ظاہر ہے اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم ہی ہیں) (مکتوبات حضرت علی رض ص ۵۳ بحوالہ طبری ۔ النجوم الزاہرہ ۔ شرح ابن ابی الحدید)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مکتوب بنام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۔ ۔ ۔

ترجمہ :- (تمہارے گمان میں) اسلام میں فضیلت اور خدا و رسول اللہ کی خیر خواہی میں سب سے افضل خلیفہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰے عنہ) اور خلیفہ خلیفہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) تھے ۔ میں حلفیہ کہتا ہوں : ان کان مکانھما فی الاسلام لعظیماً ۔

" بے شک اسلام میں ان کا مقام بہت بلند ہے ۔

(مکتوبات علی رض ص ۸۳ بحوالہ عقد الفرید ۔ نہج البلاغۃ ۔ شرح ابن الحدید کتاب الصفین)

حضرت علی رضی اللہ تعالٰے عنہ کا مکتوب بنام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰے عنہ ۔ ۔ ۔

(اے معاویہ ، اگرچہ تم شام میں تھے لیکن میری بیعت مدینے میں تم پر لازم آگئی کیونکہ میرے ہاتھ پر ان لوگوں نے بیعت کی تھی جنہوں نے ابوبکر عمر اور عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے کی تھی اور یہ بیعت بھی اسی خلافت پر تھی جس پر یہ لوگ پہلے خلفاء کی بیعت کر چکے تھے ۔ اس کے بعد پھر نہ کسی حاضر کو کوئی اختیار باقی رہا اور نہ کسی غائب کو حق استرداد اور اور حقیقت میں شوریٰ کا حق بھی مہاجرین و انصار ہی کا ہے جب وہ کسی شخص پر اتفاق کر لیں اور امام بنا لیں تو اس کو خدا کی پسند اور رضا سمجھنا چاہیے ۔

(مکتوبات علی رضی اللہ عنہ الامامۃ والسیاست ، اخبار الطوال تذکرہ خواص الائمہ ۔ نہج البلاغۃ شرح ابن حدید وغیرہ)

اس مکتوب میں حضرت علی رض نے خلافت کے اصول کا ذکر فرمایا ہے کہ خلیفہ انصار اور مہاجر منتخب کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے خلفاء ثلاثہ کو منتخب و تسلیم کیا (خلفاء ثلاثہ برحق تھے) جس شخص پر مہاجر و انصار کا اتفاق ہو جائے وہی امام ہو گا ۔ جو اللہ تعالٰے کی رضا اور پسند سمجھا جائے گا ۔ بالفاظ دیگر مامور من اللہ سمجھ کر اس کی اطاعت کی جائے گی اس سے روگردانی ناجائز اور خلاف اسلام ہوگی (ابوالحسن رضوی)

کہ خورشید بعد از رسولاں مہ
نہ تابید بر کس ز بوبکر بہ

(شاہنامہ فردوسی)

(حضور اکرمؐ نے فرمایا) کہ یہ آفتاب انبیاء و رسل کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بہتر کسی شخص پر نہیں چمکا۔

عن الحسن بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان ابا بکر منی بمنزلۃ السمع وان عمر منی بمنزلۃ البصر وان عثمان منی بمنزلۃ الفؤاد (معانی الاخبار لابن بابویہ القمی، تفسیر حسن عسکری پارہ اول)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے نزدیک بمنزلہ کان اور عمر بمنزلہ بصارت و عثمان بمنزلہ دل کے ہیں۔

پس جبرائیل نازل ہوئے اور ان کا قصہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا اور

از جانب خدا مامور گردانید آنحضرت را کہ ابوبکر را با چہار ہزار سوار مہاجران و انصار بر جنگ ایشاں بفرستد۔

(حیات القلوب جلد دوم بحوالہ النصیحۃ الشیعہ ص ۲۲۳)

خدا کی طرف سے حضرت کو مامور فرمایا کہ ابوبکر رضؓ کو چار ہزار سوار مہاجرین و انصار کے ساتھ ان سے لڑنے کے لئے بھیجیں۔

یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو انصار و مہاجرین پر سالار لشکر بحکم خدا حضور اکرمؐ نے مقرر فرمایا۔

قریش کے ایک جوان نے حضرت علی رضؓ سے دریافت کیا۔ یا حضرت میں نے آپ سے ابھی خطبہ میں فرماتے سنا ہے

اللھم اصلحنا بما اصلحت بہ الخلفاء الراشدین فمن ھما؟ قال حبیبای وعماک ابوبکر وعمر اماما الھدیٰ وشیخا الاسلام ورجلا قریش والمقتدیٰ بھما بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اقتدی بھما عصم ومن اتبع آثارھما ھدی الی صراط مستقیم

(شافی لعلم الہدیٰ وتلخیص الشافی للمحقق طوسی ص ۴۲۸ جلد ۲)

ترجمہ: اے میرے اللہ ہم پر اسی طرح مہربانی کے ساتھ کرم فرما جو مہربانی و کرم تو نے خلفاء راشدین پر فرمایا ہے تو وہ خلفاء راشدین کون ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا وہ میرے پیارے اور تیرے چچا ہیں۔ ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہم وہ دونوں ہدایت کے امام ہیں اور دونوں اسلام کے پیشوا دونوں قریش کے مردوں سے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے مقتدا اور پیشوا۔ جس نے ان کی پیروی کی وہ جہنم سے بچ گیا اور جس نے ان کی اقتداء کی اس نے صراط مستقیم کی ہدایت پائی۔

مختصراً علی (زین العابدین) ابن حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں عراقی حاضر ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہم کے بارے میں برے الفاظ استعمال کرنے لگے حضرت نے اُن سے پوچھا کیا تم مہاجرین اولین سے ہو جو اللہ تعالےٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے گھر اور مالوں کو چھوڑ آئے جو اللہ اور رسول کی مدد کرتے تھے اور وہ سچے تھے تو ان عراقیوں نے عرض کیا نہیں۔ تو پھر آپ نے اُن سے پوچھا کہ کیا تم ان میں سے ہو جنہوں نے اپنے ان مہاجر بھائیوں کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو تیار کر رکھا تھا اور جو کچھ ان مہاجرین کو دیا گیا تھا اس پر اپنے دل میں کوئی کدورت نہ رکھتے تھے اور اپنے اوپر مہاجرین کو ترجیح دیتے تھے۔ حالانکہ وہ خود بھی حاجت مند تھے تو عراقیوں نے عرض کیا نہیں (یعنی وہ مہاجرین اور انصار میں سے نہیں ہیں) تو آپ نے فرمایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ جبکہ تم پہلی دونوں جماعتوں میں سے نہیں ہو۔

وانا اشھد انکم لستم من الذین قال اللّٰہ فیھم والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین امنوا اُخرجوا عنی فعل اللّٰہ بکم

(کشف الغمہ ص۱۹۹ مطبوعہ ایران)

کہ تم ان مسلمانوں میں سے بھی نہیں ہو جن کے بارے میں اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے کہ وہ مسلمان لوگ جو مہاجرین اور انصار کے بعد آئیں گے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ سبقت لے چکے ہیں اور ایمان والوں کے متعلق ہمارے دلوں میں کسی قسم کا کھوٹ، بُغض کینہ، حسد یا عداوت نہ ڈال۔

یہ فرماکر آپ نے حکم دیا کہ میرے یہاں سے نکل جاؤ۔ اللہ تمہیں ہلاک کرے۔

(یعنی حضرت علی زین العابدین رحمۃ اللہ تعالٰے علیہ کے نزدیک حضرات شیخین کریمین ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہم کے بدگو منہ لگانے کے قابل نہیں)

ان علیاً علیہ السلام قال فی خطبتہ خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر و عمر۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سب سے افضل ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔

بعض روایتوں میں تفصیلاً آیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ:

ان رجلاً تناول ابابکر و عمر بالشتیمۃ فدعی بہ وتقدم بعقوبتہ بعد ان شھد وا علیہ بذالک (حوالہ مذکور)

ایک شخص نے حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰے عنہما کی شان میں سبّ کیا ہے تو آپ نے اس کو طلب فرما کر بعد شہادت سزا دی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان:

فی ابی بکر رحم اللّٰہ ابابکر کان واللّٰہ للفقرا رحیماً وللقرآن تالیاً وعن المنکر ناھیاً وبدینہ عارفاً ومن اللّٰہ خائفاً وعن منھیات زاجراً وبالمعروف آمراً وبالّلیل قائماً وبالنھار صائماً فاق اصحابہ ورعاً وکفافاً وسادھم زھداً وعفافاً فغضب اللّٰہ علی من ینقصہ ویطعن علیہ۔ (ناسخ التواریخ جلد ۵ کتاب ۲ ص ۱۴۳-۱۴۴)

اللہ تعالٰے ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحمت فرمائے اللہ کی قسم وہ فقیروں کے لیے رحیم تھے۔ قرآن کریم کی ہمیشہ تلاوت کرنے والے، بُری باتوں سے منع کرنے والے، دین کے عالم، اللہ سے ڈرنے والے، بُرے کاموں سے منع کرنے والے اچھی باتوں کا حکم دینے والے، رات کو عبادت کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے، تمام صحابہ پر پرہیزگاری اور تقویٰ میں فوقیت رکھنے والے، دنیا سے بے رغبتی اور پاکدامنی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ ان کی تنقیص شان کرنے والے اور ان پر طعن کرنے والے پر اللہ کا غضب ہو۔

بزمانہ خلافت حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سے تعلقات

حضرت محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ان ابوبکر و عمر و عثمان کانوا یرفعون الحدود الے علی بن ابی طالب علیہ السلام (جعفریات مطبوعہ طہران ص ۱۳۳)

بے شک ابوبکر و عمر و عثمان رضوان اللہ علیہم نے حدود کے فیصلے اپنے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت علی رضہ کے سپرد کر رکھے تھے۔

وكان من يؤخذ الفقه في ايام ابي بكر علي بن ابي طالب، عمر بن خطاب، معاذ بن جبل، ابي بن كعب، زيد بن ثابت وعبد الله بن مسعود۔

(تاریخ الیعقوبی احمد بن یعقوب بن جعفر)

یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں (حضرات) علی، عمر، معاذ، ابی ابن کعب، زید، عبداللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے فقہی مسائل دریافت کیے جاتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں الصہباؑ نامی ایک لونڈی غنائم قبائل بنی تغلب سے حاصل ہوئی جو آپ نے حضرت علیؓ کو عطا فرمائی جس سے ایک لڑکا عمر اور لڑکی رقیہ توام پیدا ہوئے۔ یہ لونڈی حضرت خالد بن ولید لائے تھے۔

واما عمر ورقية فانهما سبية من تغلب يقال لها الصهبا سبيت في خلافة ابي بكر وامارة خالد بن وليد بعين التمر۔ (شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید الاول)

(عمدۃ الطالبین فی انساب آل ابی طالب)

محمد بن حنفيه امه خولة بنت جعفر بن قيس وهي من سبي اهل الردة (عمدۃ الطالب)

جنگ یمامہ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر سرکردگی خولہ بنت جعفر بن قیس قید ہو کر آئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے حضرت علی رضہ کو عنایت فرمائی جس سے محمد بن حنفیہ تولد ہوئے

در روایات شیعہ وارد شدہ است کہ چوں اسیران را بنزد ابوبکر رضہ آوردند مادر محمد بن حنفیہ از آنہا بود (حق الیقین ملا محمد باقر مجلسی)

شیعہ روایات کے مطابق جب (اہل ردہ) کے اسیروں کو ابوبکر رضہ کے پاس لایا گیا تو محمد بن حنفیہ کی والدہ انہیں میں سے تھی۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی گئی۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے غزوہ روم کا قصد فرمایا تو صحابہ کرام رضہ سے مشورہ طلب کیا ہر ایک نے اپنی اپنی رائے دی حضرت علیؓ نے کہا:

فاشار ان يفعل فقال ان فعلت ظفرت فقال بشرت بخير (تاریخ یعقوبی)

تو انہوں نے یہ کام کر ڈالنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ آپ انشاء اللہ ظفریاب ہوں گے جس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ نے اچھی بشارت دی۔

(ناسخ التواریخ میں بھی تفصیل بھی لکھا ہے۔)

مروی عن جعفر بن محمد انه كان يتولا هما ويأتي القبر فيسلم عليهما مع تسليمه على رسول الله صلى الله عليه وسلم (كتاب الشافي سيد مرتضى الهدى وشرح نهج البلاغة لابن الحديد)

یعنی حضرت جعفر الصادق حضرات ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ سے دوستی و مودت رکھتے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر حاضری دیتے تو حضور اکرم کے ساتھ ان پر بھی سلام پیش کرتے۔

جس وقت حضرت علیؓ نے ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کا ارادہ کیا اور حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپ نے حضرت علی رضہ کو حکم فرمایا۔

اے ابوتراب اٹھو سگروالوں کو تم نے اپنی جگہ سے جدا کیا ہے۔ جاؤ ابوبکر و عمر و طلحہ رضوان اللہ علیہم کو بلا لاؤ میں جناب

اسیر گئے اور ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہم کو بلا لائے۔

(اردو جلاء العیون جلد اول ص۲۹۸)

یعنی گھریلو جھگڑوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضؓ کے نزدیک ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بہترین مصالحت کرنے والے تھے۔

حضرت علیؓ کی اولاد کے نام ابوبکر

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے تینوں بیٹوں کے نام ابوبکر۔ عمر۔ عثمان رکھے جن میں سے ابوبکر و عثمان کربلا میں حضرت امام حسینؓ کے ساتھ شہید ہوئے۔

(تاریخ سلاطین اسلام ص۲۰۹ بحوالہ فیض الاسلام علی المرتضیٰ نمبر ص۶۲)

قاسم فرزند حسنؓ کو مع اکیس نفر اصحابؓ اہل بیت کے اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہوئے کہ ان میں سے ابوبکر و محمد عثمان، عباس فرزندان امیر المومنین . . . (جلاء العیون ج ۲ ص۱۴۲)

شہادت فرزندان جناب امیر . . . اوّل عبداللہ فرزند جناب امیر کہ ان کو ابوبکر کہتے تھے، میدانِ کارزار میں پہنچے ان کے بعد عمر بن علی ان کے برادر بزرگ نے عزم میدان کیا ان کے بعد عثمان بن علی میدان میں گئے۔ (ص۱۹۰)

حضرت علی رضؓ کے فرزند ابوبکر کا ذکر مقاتل الطالبین کتاب الارشاد شیخ مفید۔ کشف غمہ عمدۃ المطالب اور جلاء العیون وغیرہ میں ہے۔

حضرت امام حسین رضؓ کے ایک لڑکے کا نام ابوبکر تھا (مسعودی)

حضرت امام حسن رضؓ کے ایک لڑکے کا نام ابوبکر (تاریخ یعقوبی قمی)

حضرت موسیٰ کاظم کے لڑکے کا نام ابوبکر (کشف الغمہ)

یعنی حضرت علی رضؓ اور اُن کے فرزندوں نے اپنی اولاد کے نام بوجہ اس خصوصی محبت کے جو حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضؓ کے ساتھ ان بزرگوں کی تھی۔ ابوبکر رکھے۔

اجماع بر خلافت ابوبکر صدیق رضؓ

خدا ایشاں را از گرسنگی کشد و ایشاں را بر گمراہی جمع نمی کند۔ (حیات القلوب ملا باقر جلد ۲/۱۲۳)

یعنی اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو بھوک سے ہلاک فرمائے گا اور نہ ہی گمراہی پر جمع کرے گا اس سے اجماع اُمت کو برحق ثابت کیا گیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی افضلیت، صداقت خلافت اور جملہ صفات حسنہ و خصائص پر اجماع اُمت ہے۔

بے شمار مہاجرین و انصار امر خلافت ظاہر میں ابوبکر رضؓ خلیفہ قرار پائے . . . اور اکثر مہاجرینؓ و انصار نے ابوبکر رضؓ سے بیعت کر لی۔ (جلاء العیون اردو جلد اول ص۲۰۰)

مردم اتفاق کردہ است کہ حضرت رسول را در بقیع دفن کنند و ابوبکر پیش ایستد و بر آنحضرت نماز کند (حیات القلوب ص۶۸۸ ج۲)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضؓ کی امامت پر اتفاق مُسلم ہے اور یہ کہ وہ جنازہ حضور اکرم کے وقت خود موجود تھے حضرت علی رضؓ سے اپنے جانشین کے بارے وصیت فرمانے کے لیے عرض کیا گیا تو فرمایا کہ جب حضور اکرمؐ نے اپنی خلافت کی وصیت نہیں فرمائی تو میں کیسے وصیت کروں۔ البتہ حضور اکرمؐ نے یہ فرمایا کہ اللہ نے بھلائی کا ارادہ فرمایا تو میرے صحابہ رضؓ کا اجماع میرے بعد ان میں سے سب سے اچھے شخص پر ہو جائے گا۔

قال ما اوصیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاوصی

ولکن قال ان اراد اللہ خیراً فیجمعھم علی خیرھم
بعد نبیھم (تلخیص الشافی ج ۲/۲۴)

جیسا کہ نبی کے بعد سب سے اچھے آدمی پر اجماع ہو گیا۔
حضور اکرم نے فرمایا بے شک میری امت متفرق ہو گی بہتّر فرقوں پر۔ اکھتّر فرقے ہلاک ہوں گے اور ایک فرقہ نجات پائے گا۔ لوگوں نے پوچھا:-

یا رسول اللہ من تلک الفرقۃ قال الجماعۃ
الجماعۃ الجماعۃ (خصال ابن بابویہ مطبوعہ طہران جلد ۲)

یا رسول اللہ وہ ناجی فرقہ کونسا ہوگا تو آپ نے فرمایا جماعت۔ جماعت۔ جماعت۔

الزموا السواد الاعظم فان ید اللہ علی الجماعۃ
وایاکم والفرقۃ فان الشاذ من الناس للشیطان
کما ان الشاذ من الغنم للذئب الا من دعا الی
ھذا الشعار فاقتلوہ ولو کان تحت عمامتی ھذہ
(نہج البلاغۃ ص ۲۶ بحوالہ سیرت علی نامی)

بڑے گروہ کے ساتھ ملے رہو۔ جماعت کو خدا کی تائید حاصل ہوتی ہے۔ خبردار! فرقہ بندی سے بچے رہنا جو شخص جماعت سے الگ ہو جاوے وہ شیطان کے قابو میں آ جاتا ہے جیسے ریوڑ سے الگ بکری بھیڑیے کی غذا بن جاتی ہے خبردار! جو شخص فرقہ بندی کا داعی ہو اُسے قتل کر دو اگرچہ وہ میری ہی دستار کے نیچے ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور حضرت علی رضہ کے قول کے مطابق جماعت کے ساتھ وابستگی لازمی اور علیحدگی ناجائز اور حضرت ابوبکر رض کی خلافت پر اجماع اُمت اظہر من الشمس۔ لہٰذا اس کا منکر واجب التعزیر ہے۔

(ابوالاحسن رضوی)

امامت و خلافت
خلافت راشدہ

قوم کی امامت وہ کرائے جو ان سب میں قرآن زیادہ پڑھا ہوا ہو۔ اگر اس وصف میں برابر ہوں تو جو ہجرت میں مقدم ہو اگر ہجرت میں بھی برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو۔ اور اگر عمر میں بھی برابر ہوں تو جو سنت پیغمبر میں زیادہ عالم ہو اور تفقہ دینی میں اُسے برتری حاصل ہو۔

(ترجمہ فروغ کافی جلد ۱ ص ۱۰۲ لکھنؤ)

فلما اشتد بہ المرض امر ابابکر ان یصلی
بالناس بعد ذالک یومین

ترجمہ: جب آنحضرت پر مرض کی تکلیف زیادہ ہوگئی تو آپ نے ابوبکر صدیق رض کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ ابوبکر صدیق رض دو یوم تک نماز پڑھاتے رہے (در نجفیہ شرح نہج البلاغت
(مطبوعہ ایران ص ۲۲۵)

لقد امرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بالصلوٰۃ بالناس فھو مسنّ

(نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید جز ۲/۷۵)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ زندہ تھے تو ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔

ثم قام وتھیأ للصلوٰۃ وحضر المسجد وصلی خلف
ابی بکر (احتجاج طبرسی ص ۶۰ و تفسیر قمی)

پھر حضرت علی رض اٹھے اور نماز کی تیاری کر کے مسجد حاضر ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی۔

(مذکورہ مضمون)

مرآۃ العقول شرح الاصول والفروع محمد باقر اصفہانی ص ۳۸۸)
(قرآن مجید مترجم از مترجم مقبول احمد ضمیمہ ص ۴۲)

جماعت اہل دین سنے عقیدہ میں ان کے ابوبکر رض
سنت باندھی چنانچہ شاہ لافتیٰ (حضرت علی رض) بھی تھے
(ملفوظات حیدری اردو ص۲۶)

اس کتاب میں پہلے تو چاروں خلفاء راشدین ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ رضوان اللہ علیہم کی حکومتوں کا ترتیب وار ذکر ہے (الفخری اردو مؤلفہ محمد علی ابن علی بن طباطبا اثنا عشری شیعہ م ۷۰۹ھ)

"خلافتِ راشدہ کا اندازِ حکومت"

پہلی چار خلافتیں... ابوبکر صدیق رض عمر بن خطاب عثمان بن عفان۔ علی ابن ابی طالبؓ ہر حیثیت سے دنیوی جاہ کی بہ نسبت دینی مرتبے سے زیادہ مشابہ تھیں... سیرت کا یہ انداز دنیوی بادشاہوں جیسا نہیں بلکہ نبوت اور آخرت سے زیادہ مشابہ ہے (الفخری ص ۳۲-۳۳)

خلافتِ راشدہ:

سب سے پہلی (اسلامی) حکومت یعنی خلفائے اربعہ کی حکومت کی ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد شروع ہوئی یعنی ابوبکر بن ابی قحافہ رض کی بیعت سے آغاز ہوا جو ۱۱ھ میں ہوئی اور اختتام امیر المومنین علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) کے قتل ہونے کے بعد ہوا جو ۴۰ھ میں واقع ہوا۔ یہ خوب سمجھ لیجئے کہ یہ حکومت دنیوی حکومتوں کے طرز پر نہ تھی اور یہ نبوی امور اور اخروی احوال سے زیادہ مشابہ تھی۔ حق یہ ہے کہ اس حکومت کا انداز انبیاء کا انداز اور اس کا طرز اولیاء کا طرز رکھتا تھا اور فتوحات بڑے بڑے فرمانرواؤں کی سی تھیں۔ ان کی زندگی میں جفاکشی تھی۔ کھانے پینے میں انتہائی اختصار تھا... ان کا کھانا معمولی سے معمولی فقیروں جیسا تھا...

ان خلفاء کا کھانا اور کپڑے میں یہ اختصار نہ کسی محتاجی کی وجہ سے تھا اور نہ اس لیئے کہ انہیں عمدہ کھانا اور کپڑا نصیب نہ ہوتا تھا۔ بلکہ یہ اس لیئے تھا کہ غریب رعایا کی امداد اور اپنی شہوات نفس کو دبانا مقصود تھا اور وہ ریاضت کے طور پر اس زندگی کے عادی بننا چاہتے تھے۔ ورنہ ان میں سے ہر ایک کے پاس کافی دولت نخلستان، باغ اور دوسرے سامان موجود تھے۔ یہ سب کچھ نیکی اور تقرب خداوندی کی راہ میں صرف کر دیتے تھے... ان خلفا کی فتوحات اور جنگوں کا کیا ٹھکانہ ہے ان کے گھوڑے افریقہ خراسان کی آخری حدوں تک پہنچ گئے اور دریاؤں کو عبور کر گئے۔

(الفخری ص ۹۱-۹۲)

یہ پہلی اسلامی حکومت تھی (خلافت صدیقی) اس میں پہلی جنگ اہل ردہ (مرتدین) کی جنگ تھی... حضرت ابوبکرؓ نے ان مرتدین کے ہر گروہ کے لیئے ایک جیش تیار کیا۔ جو جا کر ان سے برسرپیکار رہا۔ فتح اسلامی لشکروں کو ہوئی اور ان مرتدین کو قتل یا قید کیا گیا۔ جو بچ گئے وہ اسلام لے آئے اور زکوٰۃ ادا کرنے لگے (الفخری ص ۹۳)

(سلسلہ مسیلمہ کذاب و سجاح)

جب ابوبکر صدیقؓ کو یہ اطلاع ہوئی تو آپ نے ایک جیش اسلامی کو جس کے امیر خالد بن ولید تھے بھیجا جنگ ہوئی اور ایسی خونریز جنگ ہوئی جو اہل اسلام نے اب تک نہ دیکھی تھی۔ بالآخر مسلمانوں کو فتح ہوئی اور مسیلمہ قتل کیا گیا اور

اسی سبب کا نتیجہ فتح شام بھی تھی۔

(الصغریٰ صفحہ ۶۴)

نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد عمرؓ ہوں گے۔

(حیات القلوب ۲/۵۵۹)

حدیث: نبی کریم کی زوجہ محترمہ حضرت حفصہؓ ایک دن غمگین بیٹھی تھیں۔ نبی علیہ السلام نے ان کو غمگین پا کر فرمایا کیا تم کو ایک خوشخبری نہ سناؤں؟ میری وفات کے بعد میرے جانشین ابوبکر صدیقؓ ہوں گے اور ان کے بعد تمہارے والد عمرؓ ان کے جانشین ہوں گے۔ حضرت حفصہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا مجھے اللہ علیم و خبیر نے مجھے بتلایا۔

(تفسیر صافی۔ بحوالہ تفسیر قمی۔ تفسیر ہانی۔ تفسیر مجمع البیان حیات القلوب زیر سورہ تحریم۔ بحوالہ نصیحۃ الشیعہ صفحہ ۳۸۴)

امام جعفر صادق نے ایک شخص کے جواب میں فرمایا دونوں کے دونوں (ابوبکر و عمرؓ) عادل امام تھے حق پر ہی زندگی گزاری اور حق پر ہی دنیا سے تشریف لے گئے۔ قیامت کے دن دونوں پر رحمت ہو (احقاق حق صفحہ ۱۶)

حضرت علیؓ کی اقتداء حضرت صدیقؓ

کشیدند صف اہل دین از قضا
دراں صف ہم استاد شیر خدا

یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے جب اہل دین نماز کے لیے صف بستہ ہوئے تو ان میں حضرت علیؓ شیر خدا بھی کھڑے ہوئے (حملہ حیدری ۲/۲۰۹)

پھر وہ (حضرت علیؓ) اٹھے اور نماز کے قصد سے وضو فرما کر مسجد میں تشریف لائے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز میں کھڑے ہو گئے (غنیمہ حاشیہ مقبول احمد شیعی صفحہ ۵)

حضر المسجد وصلی خلف ابی بکر

(مراۃ العقول شرح اصول)

حضرت علیؓ مسجد میں حاضر ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔

ثم قام وتهيأ للصلوٰة وحضر المسجد ووقف خلف ابي بكر وصلّى۔

(تفسیر قمی لعلی بن اکرام)

پھر (حضرت علی رضی اللہ عنہ) اٹھے اور نماز کی تیاری کی اور مسجد نبوی میں حاضر ہو کر ابوبکر صدیقؓ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

قام وتهيأ للصلوٰة وحضر المسجد وصلى خلف ابي بكر (احتجاج طبرسی صفحہ ۵۳)

بارادہ نماز (حضرت علیؓ) اٹھے اور مسجد میں حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔

وكان علي عليه السلام فيصلي في مسجد الصلوات الخمس۔

(کتاب السلیم بن قیس العامری الہلالی)

حضرت علی علیہ السلام نماز خمسہ مسجد میں پڑھتے تھے۔

وان ادى صلوٰة مصلهم للاقتداء فذلك مسلم لانه الظاهر (تلخیص الشافی)

حضرت علیؓ کا ابوبکرؓ کے پیچھے نمازیں پڑھنا مسلّم ہے۔ کیونکہ یہ بالکل ظاہر ہے۔

بیعت حضرت علیؓ

ثم تناول یدابی بکر فبایعہ (احتجاج طبرسی مطبوعہ نجف ص۵۴)

پھر حضرت علی رضؓ نے حضرت ابوبکر رضؓ کا ہاتھ پکڑا اور ان سے بیعت کی۔

قال اسامة له هل بایعته فقال نعم یا اسامه

حضرت اسامہ رضؓ سے پوچھا کیا آپ نے حضرت ابوبکر رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی؟ تو آپ نے فرمایا ہاں اسامہ رضؓ (ایضاً ص۵۲)

ثم مدّ یدہ فبایعہ (الشافی شریف مرتضیٰ رہ)

پھر حضرت علی رضؓ نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور حضرت ابوبکر رضؓ صدیق سے بیعت کرلی فالظاهر الذی لا اشکال فیه انه علیه السلام بایع مسدا للاشر وفراراً من الفتنة

پس ظاہر وہ جس پر کوئی اشکال نہیں اس بیعت کی یہ ہے کہ علی علیہ السلام نے (صدیق اکبر رضؓ) کے ہاتھ پہ بیعت کرلی تاکہ شر رفع ہو اور فتنہ فساد سے دور رکھا جاوے

حبیب ابن ابی ثابت سے مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے گھر میں تھے۔ کسی نے آکر بتایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بیعت کے لئے مسجد میں بیٹھے ہیں آپ محض قمیض پہنے بغیر چادر لیئے فوراً بایں خوف مسجد میں آئے کہ دیر نہ ہو جائے اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے پاس پہنچ گئے (طبرسی جلد احصہ سوم)

بیعت حضرت علی رضی اللہ عنہ بدست ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں شرح نہج البلاغۃ درہ نجفیہ کشف الغمہ حق الیقین فروع کافی کتاب الروضہ میں موجود ہے

حضرت علیؓ نے حضرت حسن رضؓ کو وصیت فرماتے وقت کہا۔

فقد نظرت فی اعمالهم وفکرت فی اخبارهم وسیرت فی آثارهم حتی عدت کاحدهم (نہج البلاغہ ج۲)

میں نے (خلفائے ثلاثہ) کے اعمال پر نظر کی۔ ان کی اخبار پر غور و فکر کیا ان کے نقش قدم پہ چلا حتی کہ میں بھی ان کی طرح (خلیفہ) ہوا

حضرت امام باقر رہ فرماتے ہیں۔ حضرت علی رضؓ نے حضرت ابوبکر رضؓ کی بیعت کرلی۔ (فروع کافی کتاب الروضہ ص۱۳۶)

حضرت علی رضؓ نے حضرت سلمان فارسی کو فرمایا بیعت کن با ابوبکر پس سلمان بیعت کرد (حیات القلوب جلد دوم)

یعنی اے سلمان! ابوبکر رضؓ کی بیعت کر پس انہوں نے بیعت کی۔

مسجد نبوی کے درمیان مجمع عام میں علی رضؓ نے کھڑے ہو کر حق ابوبکر رضؓ کی عظمت اور ان کی فضیلت ان کی سبقت فی الاسلام بیان کر کے بیعت کرلی۔ پس لوگ علی رضؓ کے پاس آئے اور کہا ابوالحسن تم نے اچھا کیا اور خوب کیا۔

(تحفۃ الاحباب فی تاریخ الاصحاب سید فدا حسین جعفری ص۱۰۹
بحوالہ فیض الاسلام علی المرتضیٰ نمبر ص۵۷)

حضرت علی رضؓ کے بیعت ہونے کے حضرت ابوبکر رضؓ نے تین بار اعلان کیا کہ میں تم سے بیعت توڑتا ہوں۔ ہے تم میں کوئی مجھ سے کراہت کرنے والا؟ ہے کوئی تم میں سے مجھ سے بغض رکھنے والا؟ پس ہر بار سب سے پہلے حضرت علی رضؓ کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے "خدا کی قسم ہم تم سے بیعت نہیں توڑتے

دوں گا اور نہ تم کو ہرگز اپنی بیعت فسخ کرنے دوں گا۔

(تحفۃ الاحباب مذکور)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ اپنی بزرگی اور اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین منتخب کر لیے گئے۔ آپ کی دانائی فراست اور اعتدال پسندی مسلّم تھی۔ ابوبکر رضہ کے انتخاب کو حضرت علی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان نے تسلیم کر لیا (تاریخ اسلام امیر علی صفحہ ۳۱)

ترجمہ: پس اس وقت میں خود چل کر ابوبکر رضہ کے پاس گیا اور ان کی بیعت کر لی۔ اور ان حوادث کا یہاں تک مقابلہ کیا کہ باطل (فتنہ ارتداد) راہ سے ہٹ گیا اور بھاگ گیا۔ اللہ کا کلمہ بلند ہوا۔ خواہ کافر اسے ناپسند کریں۔ ابوبکر ان امور کے والی رہے اور انہوں نے درستی اعتدال اور میانہ روی کا طریق اختیار کیا اور میں خیر خواہی میں ان کا دوست رہا۔۔۔ ان کا کوشش سے فرمانبردار رہا اور مجھے کبھی طمع پیدا نہ ہوئی کہ ابوبکر صدیق رضہ کو کوئی حادثہ پہنچے اور امر خلافت جس کی میں نے بیعت کی ہے میری طرف لوٹ آئے۔

(ترجمہ خطبہ کتاب منار الھدیٰ مؤلفہ شیخ علی البحرانی صفحہ ۳۷۳)

بحوالہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوبکر رضہ سے برضا و رغبت بیعت)

جنگ نہروان کے خاتمہ پر حضرت ابوبکر رضہ عثمان رضہ کے بارے میں حضرت علی رضہ سے حجر بن عدی۔ عمرو بن الحمق۔ عبداللہ بن وہب الراسبی نے رائے پوچھی تو آپ نے فرمایا۔ میں تم کو ایک تحریر دوں گا جس میں ان کے بارے میں بیان کر دوں گا تو وہ تحریر سے یعقوب کو پڑھ کر سنا دینا۔

اس تحریر میں بھی مذکورہ بالا بیان موجود ہے۔

الامامۃ والسیاسۃ۔ نہج البلاغۃ۔ بحوالہ حضرت علی کے مکتوبات صفحہ ۲۰۹

لاجرم نزدیک ابوبکر رفتم و با او بیعت کردم (ناسخ التواریخ ج ۳)

میں نے ابوبکر کے پاس جا کر بیعت کر لی۔

فبایعت ابابکر کما بایعتموہ وکرھت ان اشق عصا المسلمین (امالی شیخ طوسی ۲/۱۲۱ طبع نجف)

میں نے ابوبکر رضہ کی بیعت کی جیسے تم نے کی اور مسلمانوں کی لاٹھی کو توڑنا مکروہ جانا (جنگ جمل کے بعد کی تقریر)

تزویج فاطمہ رضہ و کردار صدیقی

ابوبکر رضہ و عمر رضہ و سعد بن معاذ رضہ نے کہا حضور (حضرت) علی رضہ کے پاس چلیں اور ان سے کہیں فاطمہ رضہ کی خواستگاری کریں اگر تنگدستی مانع ہو تو ہم ان کی مدد کریں۔۔۔ (حضرت علی رضہ نے کہا) لیکن مجھے تنگدستی اس امر کے اظہار سے شرم دلاتی ہے ان لوگوں نے جس طرح ہوا حضرت کو راضی کیا۔

(اردو جلاء العیون صفحہ ۱۶۹ ج اول و بحار الانوار ملا باقر مجلسی)

جناب امیر نے فرمایا ابوبکر رضہ و عمر رضہ میرے پاس آئے اور کہا حضرت رسول ص کے پاس جنابہ فاطمہ رضہ کی خواستگاری کیوں نہیں کرتے؟

(جلاء العیون ج ا صفحہ ۱۶۷ و کتاب الامالی الشیخ ابی جعفر الطوسی مختصراً) حضرت ابوبکر رضہ نے ہی حضرت فاطمہ رضہ کے رشتہ کے بارے میں عرض کرنے کی ترغیب دی ورنہ حضرت علی رضہ میں رسول ص کی خدمت میں یہ عرض کرنے کی جرأت ہی نہ تھی۔

(الزہرا مصنفہ خان بہادر اولاد حیدر فوق صفحہ ۲۰)

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا

اے علیؓ اٹھو اور اپنی زرہ بیچ ڈالو۔ یہ سنکر میں گیا اور زرہ فروخت کر کے اس کی قیمت حضرت کی خدمت میں لایا ... پھر ان میں سے حضور اکرمؐ نے درہم کچھ ابو بکرؓ کو دیں کہ بازار میں جا کر کپڑا وغیرہ جو اثاث اہل بیت درکار ہے لے آ۔ عمار بن یاسر اور ایک جماعت صحابہؓ کو ابو بکرؓ کے بعد بھیجا اور سب بازار پہنچے ان میں سے جو شخص چیز لیتا تھا ابو بکرؓ کے مشورے سے لیتا تھا۔

جب سب اسباب خرید چکے ابو بکرؓ اور سب اصحاب مذکورہ لے کر حضرت کی خدمت میں آئے (جلاء العیون ج ا اردو ص۱۴۲)

ترجمہ: جب میں نے (حضرت علیؓ) چار سو درہم (حضرت عثمانؓ سے لیے اور زرہ حضرت عثمانؓ لے چکے تو حضرت عثمانؓ نے کہا کہ یہ زرہ میری طرف سے آپ کو ہدیہ ہے۔ پس میں زرہ اور درہم لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور زرہ اور درہم آپ کے آگے رکھ دیئے (حضرت عثمانؓ کا یہ سارا ماجرا عرض کر دیا تو آپ نے حضرت عثمانؓ کے حق میں دعائے خیر کی اور ایک مٹھی بھر کر ابو بکرؓ کو بلا کر ان کے حوالے کی کہ بازار سے میری بیٹی (فاطمہؓ) کے لیے مناسب سامان لے آؤ۔ (کشف الغمہ۔ اتر جمہ رسالہ شان عثمان ص۱)

اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ فاطمہؓ کا نکاح میں حضرت علیؓ سے کر دوں پس تم ابو بکر عمر و عثمان علی طلحہ زبیر رضوان اللہ علیہم اور اتنے انصار کو میرے پاس بلا لاؤ میں ان کو لے آیا اور وہ آکر بیٹھ گئے ... تو رسول کریمؐ نے خطاب فرمایا ... میں تم کو گواہ ٹھہراتا ہوں کہ میں نے فاطمہؓ کا نکاح علیؓ سے کر دیا (کشف الغمہ۔ شان عثمانؓ ص۲۰)

چو بگذشت چندے بدیں داوری ٭ یکے روز رفتند نزد نبیؐ
زیاران مخصوص او چند تن ٭ بگفتند اے شمع انجمن
دریں کار خیر او لوتے تراست ٭ سکوت دریں خطبہ چندی چراست
روا ز خدمت سید انبیاء ٭ بکن خواستگاری خیر النساء
بپاسخ چنیں گفت یعسوب دیں ٭ کہ دارم دو مانع برائد ام ایں
نخست آنکہ شرم آیدم از نبی ٭ دوم خاشم کردہ دست تہی
بہ ترغیب یاران علی ولی
بروز دگر رفت نزد نبی

(حملہ حیدری مرزا باذل جلد اول)

ان تمام حوالہ جات نیز دیگر کتب۔ الامالی شیخ ابی جعفر طوسی۔ مناقب خوارزمی۔ مناقب ابن شہر آشوب۔ کشف الغمہ۔ بحار الانوار وغیرہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کا نکاح حضرت بی بی فاطمہؓ سے بترغیب حضرت ابو بکرؓ اور عمر فاروقؓ ہوا اور حق مہر کی رقم حضرت عثمانؓ نے ادا فرمائی اور یہی لوگ نکاح کے گواہ قرار پائے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بمشورہ حضرت ابو بکرؓ یہ نکاح کیا۔ اور جب حضرت علیؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ میں تنازعہ ہوا تو حضور اکرمؐ نے ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کو ہی تصفیہ کے لیے بلوایا۔

قصہ باغ فدک و ابو بکر صدیقؓ

حضرت جعفر الصادقؒ سے روایت ہے کہ ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذالک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما ورثوا احادیث من احادیثھم (اصول کافی کتاب العلم مطبوعہ لکھنؤ ص۱۸)

انبیاء کے وارث علماء ہیں اس لیے کہ انبیاء نے میراث
نہیں دی درہم و دینار میں اور نہیں میراث دی انہوں نے مگر علم۔
ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک سے تمہارا قوت رکھ
لیتے تھے اور باقی کو تقسیم کر دیتے تھے اور اٹھاتے تھے اس میں
سے اللہ کی راہ میں اور تمہارے لیے میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں
کہ فدک میں وہی کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کرتے تھے تو اس پر فاطمہ رض راضی ہو گئیں اور فدک میں اسی
پر عمل کرنے کا ابو بکر رض سے عہد لیا اور ابو بکر فدک کی پیداوار
کو لیتے تھے اور جتنا اہل بیت کا خرچ ہوتا تھا ان کے پاس
بھیج دیتے تھے پھر ابو بکر رض کے بعد کے خلفا نے یہی کیا۔
یعنی حضرت عمر رض و عثمان رض و علی رض نے۔
(نہج البلاغت شرح مطبوعہ طہران ج ۲ اردو تحفہ شرح نہج البلاغۃ)

حضرت ابو بکر صدیق رض نے حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا سے
فرمایا۔

واموال و احوال خودرا از تو مضائقہ نمی کنم۔ آنچہ خواہی
بگیر تو سیدہ امت پدر خودی و شجرہ طیبہ از برائے فرزندان خود
انکار فضل تو کسے نمی تواند کرد۔ و حکم تو نافذ است در اموال
من اما در اموال مسلمانان مخالفت پدر تو نمی توانم کرد۔
(حق الیقین فروع کافی جلد ثالث کتاب الوصایا)

یعنی حضرت ابو بکر صدیق رض نے فرمایا کہ تم میرے مال
سے جو چاہو لے سکتی ہو اور تمہارا حکم میرے مال میں نافذ
ہے۔ لیکن مسلمانوں کے مال میں آپ کے والد کے طریق
کے خلاف نہیں کر سکتا۔

ترجمہ: کثیر النواء کہتا ہے کہ میں نے ابی جعفر محمد بن علی
(امام باقر) سے عرض کیا کہ اللہ مجھے آپ پر قربان ہونے کی
توفیق عطا فرمائے۔ آپ فرمائیں کہ کیا ابو بکر و عمر رض نے
آپ کے حقوق میں کچھ ظلم کیا یا آپ کے حق کو ضائع کیا؟
فقال لا فرمایا نہیں اس ذات کی قسم جس نے اپنے بندے
تمام عالم کے نذیر (یعنی رسول کریم ص) پر قرآن مجید اتارا۔
ماظلمامن حقنا مثقال حبۃ من خردل ہمارے
حقوق کے متعلق ان دونوں نے ایک رائی کے دانہ کے
برابر بھی ظلم نہیں کیا۔
پھر میں نے عرض کیا کیا میں ان دونوں کے ساتھ
دوستی رکھوں فرمایا ہاں! تو ان دونوں کے ساتھ دنیا و
آخرت میں دوستی و محبت رکھ۔
(بروایت ابو بکر جوہری شیعہ شرح نہج البلاغۃ ابن الحدید
بحث فدک)

قال زید (بن علی بن حسین) لو رجع الامر الی
لقضیت فیہ لقضاء ابی بکر (شرح نہج البلاغۃ حدیدی)
حضرت زید نے فرمایا کہ اللہ کی قسم اگر یہ معاملہ فدک میری
طرف آتا تو میں بھی ابو بکر رض کے فیصلہ کے مطابق ہی فیصلہ کرتا
ابو بکر رض غلہ و سود آں گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت
علیہم السلام میداد و خلفا بعد از وہم بر آں اسلوب رفتار نمود
(شرح فارسی نہج البلاغۃ از فیض الاسلام علی نقی)
فلما وصل الامر الی علی بن ابی طالب کلم فی
رد فدک فقال انی لاستحی من اللہ ان ارد شیئاً

منع منه ابوبکر وامضاه عمر (الشافی فی الامامۃ سید مرتضیٰ

علم الہدیٰ اور شرح نہج البلاغہ ابن الحدید)

فدک کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا مانع ہے کہ میں اس چیز کو توڑ دوں جس کو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی جاری رکھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اے فاطمہ رضی اللہ عنہا) میرے ماں باپ تم پر قربان تم میرے نزدیک صادقہ ہو اور امینہ ہو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے فدک کے معاملہ میں کوئی وعدہ وعید کیا تھا تو میں اس کو تسلیم کرنے کو تیار ہوں۔ تو سیدہ فاطمہؓ نے فرمایا لم یعهد الی فی ذالک (شرح ابن الحدید)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے ساتھ فدک کے معاملہ میں کوئی وعدہ نہیں فرمایا۔

وفات حضرت بی بی فاطمۃ الزہراؓ در زمان حضرت ابوبکر صدیقؓ

وکان علی یمرضها بنفسه وتعینه علی ذالک اسماء بنت عمیس رحمها اللہ (امالی شیخ ابی جعفر محمد بن حسن الطوسی)

پس حضرت بوصیت او عمل نمودہ خود متوجہ تیمار داری او بود و اسماء بنت عمیس آں حضرت را دریں امور معاونت می کرد

(جلاء العیون ملا باقر مجلسی)

یعنی حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی بیماری کی حالت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ اسماء بنت عمیسؓ نے تیمارداری کی۔

وکان علی یصلی فی المسجد الصلوات الخمس فلما صلی قال له ابوبکر و عمر کیف بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ان ثقلت فسالا عنها۔

کتاب السلیم بن قیس مطبوعہ حیدریہ نجف)

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ پانچوں وقت مسجد میں نماز پڑھتے تو حضرت ابوبکر و عمرؓ ان سے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مزاج پرسی فرماتے

حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء بنت عمیس زوجہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ بعد وفات ان کی نعش کے لئے اس قسم کا تابوت بنایا جائے کہ کپڑے کے نیچے بھی ان کے جسم کی حالت معلوم نہ ہو اور ان کو غسل بھی وہی دیں۔ اسلام میں یہ پہلا تابوت تھا جو اسماء بنت عمیس نے تیار کروایا۔ لہذا حضرت اسماء نے تیمار داری کے بعد تابوت بنوایا اور غسل دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بی بی فاطمہؓ کی وصیت پر عمل درآمد کرنے کا حکم دیا۔

(جلاء العیون جلد اول اردو ص ۲۴۳)

کہ حضرت اسماء زوجہ ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو غسل دیا۔ کتاب مناقب ابن شہر آشوب اور کشف الغمہ میں بھی موجود ہے۔

حضرت بی بی فاطمہؓ کی وفات پر:۔

فاقبل ابوبکر و عمر تعزیان علیا ویقولون له یا ابا الحسن لا تسبقنا بالصلوٰۃ علی ابنة رسول اللہ۔

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تعزیت کی اور کہا کہ دختر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نماز جنازہ میں جلدی نہ کرنا۔ (کتاب سلیم بن قیس الہلالی عامری)

وفات حضرت ابوبکر صدیقؓ

خلفائے راشدین میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی ۱۳ھ میں آپ نے طبعی موت سے مدینہ میں وفات پائی

مرض یہ تھا کہ غار میں جو آپ کو سانپ نے ڈس لیا تھا۔ اسی کے زہر کا اثر نمایاں ہو گیا تھا۔ آپ اپنی دختر اور زوجِ رسول ؐ یعنی عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے حجرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوئے۔

آنحضورؐ کی وفات اسی حجرہ مبارک میں ہوئی تھی اور یہیں سپردِ خاک بھی کئے گئے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی آپ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

آپ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، کو اپنے بعد نامزد کر کے امت کا خلیفہ بنایا (الفخری ص۱۱۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے وفات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر طویل خطبہ دیا۔ اور آپ کے فضائل بیان کئے۔

(شرح نہج البلاغۃ)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں نے اپنے میں سے دو نیک آدمیوں کو خلیفہ بنایا (دونوں ابوبکر عمر رضی اللہ عنہما) نے قرآن کریم اور سنت نبوی اور اسوۂ حسنہ پر عمل کیا۔ کوئی کام سنت کے خلاف نہیں کیا پھر وفات پا گئے۔ اللہ ان پر رحم کرے۔

ناسخ التواریخ ۳/۳۴۱

خدا ابوبکر رضی اللہ عنہ، پر رحم کرے اس نے کجی کو سیدھا کیا اور جہالت کا علاج کیا اور سنت رسول کو قائم کیا بدعت کو پیچھے چھوڑا۔ دنیا سے پاک دامن اور کم عیب ہو کر گزر گیا خوبی کو پا لیا شر و فساد سے پہلے ہی چلا گیا۔ خدا کی بندگی کا حق ادا کیا اور تقویٰ کو جیسا کہ چاہئے تھا اختیار کیا۔ اور فوت ہو گیا (ترجمہ نہج البلاغۃ ص۲۵۰/۱ مطبوعہ بیروت)

حضرت ابوبکر صدیق کا جب انتقال ہو گیا تو آپ کی بیوہ اسماء بنت عمیس سے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے نکاح کر لیا۔ اسماء کا لڑکا محمد ساتھ آیا جس کی حضرت علیؓ نے بڑی محبت سے پرورش کی۔

تحفۃ الاحباب فی تاریخ الاصحاب ص۵۵ بحوالہ فیض الاسلام علی المرتضیٰ نمبر ۶۳)

بشکریہ نور اسلام شرقپور

آں امن الناس بر مولائے ما
آں کلیم اوّلِ سینائے ما

ہمتِ او کشتِ ملت را چو ابر
ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

علامہ اقبالؒ

خدایا ایں کرم بارِ دگر کن

حافظ عبدالرزاق ایم اے

غارِ ثور

آج یہ طے ہوا کہ غارِ ثور کی زیارت کی جائے۔ گاڑی سے دامن کوہ تک گئے پھر بلندئ کوہ پر چڑھ کر غار کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ حضرت اُستادِ مکرم اور چند بزرگ ساتھی دامنِ کوہ سے ہی اسی گاڑی سے واپس آ گئے۔ اور باقی جوان اور جواں ہمت ساتھی زیارت کے اشتیاق میں آگے بڑھنے لگے۔ ہاں ان میں دو ساتھی ایسے تھے جن کی عمر سن و سال کے پیمانے سے ناپی جائے تو وہ صرف بوڑھے نہیں ضعیف بھی تھے مگر:

پیریِ شباب ہے جو تمنا جواں رہے

چنانچہ انہوں نے ہمت کر کے ابتدا تو کر دی مگر قدم قدم پر سستانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ دماغ نے احادیث کے اعتبار سے نکات و رموز سمجھانے شروع کئے مگر ناکام رہا۔ شوق نے دلائل کے سہارے کبھی ڈھونڈے نہیں لہذا جذب سے کام لیا بہر صورت۔

ہر دو بمنزلے رواں ہر دو امیرِ کارواں
عقل بہ حیلہ می برد عشق برد کشاں کشاں

جس قوت کی مرحلہ شوق طے ہوا۔ اور ہم غار میں پہنچ گئے۔
راستے میں جناب اکرم صاحب کے علمی نکات اور روحانی واردات و کیفیات نے قافلہ شوق کے لئے حدی خوانی کا حق ادا کیا۔ جیسے کوئی کہہ رہا ہو۔

تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست

...... اللہ کرے زورِ بیاں اور زیادہ

یہ غار کیا ہے ایک انمٹ تاریخ۔ عبدیت کاملہ کی تاریخ، عشق و وارفتگی کی تاریخ۔ ایثار و از خود رفتگی کی تاریخ، اطاعت و وفاداری کی تاریخ، تعمیرِ انسانیت کے لئے جفاکشی کی تاریخ۔ لکھنے والوں نے لکھنے میں کمی نہ چھوڑی مگر بھلانے والوں نے بھی بھلانے کا حق ادا کر دیا۔

۱۲ برس کی مسلسل محنت اور صبر آزما محنت کے بعد جب خالقِ کائنات کی حکمتِ کاملہ نے یہ تجویز فرمایا کہ مکے کی سرزمین میں جو کام کے لوگ تھے نبیٔ رحمت کے گرد جمع ہو گئے اب اس اعتبار سے یہ زمین بنجر ہے۔ فی الحال اس پر محنت صرف کرنا مناسب نہیں لہٰذا کسی زرخیز مردم خیز زمین پر جا کر یہ بیج بونا چاہیئے اس عرصے میں یہ دکھا دیا کہ خالق کی بات ماننا کتنا مشکل کام ہے اور اس راہ کی رکاوٹوں پر قابو پانے کے لئے کس دل گردے کے لوگ درکار ہیں اور اس سلسلے میں کس قسم کی اطاعت کا جذبہ درکار ہے کہ جب کہا فرداً فرداً چپکے چپکے دعوت پھیلاؤ الیاسی۔ کیا گیا پھر کہا کھل کے کہو کہا بہت اچھا کہنے کے بعد انہیں نے جو ظلم سہے جو مصائب

جیسے چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھے۔ جب باطل بہت جھلایا اور طے ہوا کہ اصل سرچشمہ کو ہی بند کر دو تو واللہ یعصمك من الناس کا عمل مظاہرہ کر دینا مناسب سمجھا کہ دشمن نے گھر کا محاصرہ کر لیا ہے نہ اس گھر سے کوئی باہر نکل سکتا ہے نہ اندر جا سکتا ہے۔ جب انسانی کوشش کی انتہا ہوگئی تو تقدیس کی سرحد آگئی۔ ناممکن کو ممکن بنا دیا گیا۔ دشمن غضب آلود، مستعد اور چوکس کھڑے ہیں مگر نبی رحمت ان کے سامنے گھر سے نکلتا ہے اپنی راہ لیتا ہے اور ان سب کی آنکھوں کی بینائی کام نہیں کرتی ان کی مستعدی اور ہوشیاری دھری کی دھری رہ جاتی ہے اور وہ دکھا دیتا ہے کہ واللہ یعصمك من الناس۔ تکلیفیں اٹھائیں تو ایسی کہ ان کی مثال نہیں ملتی۔ دشمن کے نرغے سے نکلا تو اس طرح کہ عقل کی دسترس سے ماوراء ہے۔

اللہ اکبر، وللہ الحمد

نبی رحمت اپنے گھر سے نکلتے ہیں اپنے رفیق خاص کے گھر جا کر دستک دیتے ہیں۔ آدھی رات کا وقت رحمت دو عالم دستک دے رہے ہیں۔ ابوبکر جیسا رمز شناس حقیقت جو پہلے سے اس وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ اندر لے جاتا ہے۔ سفر کی تیاری ہوتی ہے۔ کھانے کے لئے ستو پہلے سے تیار کر رکھے ہیں نقد اثاثہ جو پانچ چھ ہزار ہے ساتھ لیتا ہے خادم کے ذمے لگاتا ہے کہ بکریاں چرانے کے بہانے رہنما ان کے پاس آئے اور بکریوں کا دودھ دے جایا کرے۔ دو اونٹ پہلے سے تیار ہیں بیٹی سامان تیار کرتی ہے اور ذات النطاقین کا لقب حاصل کرتی ہے قیامت تک کے لئے شہادت کی مہر ثبت کر دیتی ہے کہ ابوبکر اور اس کا سارا کنبہ اور اس کا سب سرمایہ نبی رحمت کے قدموں پر نثار ہے:

محبت اثر کرتی ہے چپکے چپکے
محبت کی خاموش چنگاریاں ہیں

جبھی تو کہا گیا ہے کہ ابو بکر نماز روزہ کی وجہ سے تم پر سبقت نہیں لے گیا بلکہ اس کی وجہ سے سبقت لے گیا جو اس کے قلب کی گہرائیوں میں موجود ہے اس میں محبت کے سوا اور سما کیا سکتا ہے۔

دونوں چل پڑتے ہیں مگر اندھیری رات، دشمن سے بچنے کے لئے عام راستہ چھوڑ دینا ضروری۔ پھر چاروں طرف بلند پہاڑیاں، نوکیلے پتھر اور نبی رحمت کے پلئے نازک، زخمی نہ ہوتے تو اور کیا ہوتا۔ مگر اس کا علاج؟ پوری آبادی میں سے اللہ نے جسے رفاقت کے لئے انتخاب کیا تھا یہ انتخاب بلا وجہ تو تھا نہیں۔ اس متاع دو جہاں کو ابو بکرؓ نے اپنے کندھے پر اٹھایا اور راستہ بدلتے ہوئے اس پہاڑی کے دامن میں پہنچے اور جس طرف سے اس پر چڑھے۔ آج دن کی روشنی میں ایک جوان آدمی اپنے وجود کو گھسیٹ کر ہی وہاں بمشکل پہنچے مگر حیرت ہے اس نحیف و نزار ابو بکرؓ پر جس نے بار نبوت کندھوں پر اٹھا کر اس پہاڑی کو عبور کیا، ادھر چوٹی پر پہنچ کر غار کا جائزہ لیا، صاف کیا ادھر اُدھر کے سوراخ بند کیے، اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر ان کا منہ بند کیا، کہیں کوئی موذی جانور اس محبوب کو گزند نہ پہنچائے جسے انسانی نمادرندوں سے بچا کر لایا ہے۔

ایک ایسے شخص کی زبانی اس حقیقت کا بیان سنیئے جسے ابو بکر میں کوئی خوبی دیکھنا اس سے بھی زیادہ ناگوار ہے جتنا کسی کو اپنا عیب دیکھنا ناگوار ہوتا ہے:

چنیں گفت راوی کہ سالار دیں　　چو سالم بحفظ جہاں آفریں
ز نزدیک آں قوم پر مکر رفت　　بسوئے سرائے ابوبکر رفت
پے ہجرت او نیز آمادہ بود　　کہ سابق رسولش خبر دادہ بود

نبی بر در خانہ اش چوں رسید　　بگوشش ندائے سفر در کشید
ابوبکر ازاں حال آگاہ شد　　زخانہ بروں رفت و ہمراہ شد
چو رفتند چندے بدامان دشت　　قدوم فلک سائی مجروح گشت
ابوبکر آگاہ بدوشش گرفت　　ولے زیں حدیث است جائے شگفت
کہ در کس چناں قوت آید پدید　　کہ بار نبوت تواند کشید
بدیدند غارے دراں تیرہ شب　　کہ خوانند عرب غار ثورش لقب
گرفتند در جوف آں غار جائے　　ولے پیش بوبکر بنہاد پائے
بہر جا کہ سوراخ یا رخنہ دید　　قبا را بدرید و آں رخنہ چید
بدیں گونہ تا شد تمام آں قبا　　یک رخنہ نگرفت و ماند از قضا
بگویند برآں رخنہ آں یار غار　　کف پائے خود را بخود استوار

دشمن اپنی ناکامی پر بل کھانے لگا۔ سراغ لگایا اور غار کے دہانے تک پہنچ گیا۔ ایک نے کہا اندر جاکر دیکھ لو۔ دوسرے نے کہا پاگل ہوگیا ہے کیا؟ دیکھتے نہیں ہو کہ دہانے پر مکڑی کا جالا تنا ہے اگر کوئی اندر جاتا تو کیا جالا نہ ٹوٹتا تیرے

نے کہا یہ دیکھو کبوتروں کا جوڑا ابھی اڑ گیا ہے یہ دیکھو تازہ انڈے دے رکھے ہیں بھلا یہاں کسی انسان کا گزند ہو سکتا ہے۔

باہر سے امکانات کا اظہار ہو رہا تھا اور انہیں ناممکن ثابت کرنے کے لئے استدلال ہو رہا تھا۔ اندر بھی اندیشہ کا اظہار ہوا۔ کس کی طرف سے؟ اس کی طرف سے جو تاج دو جہاں کو انسانوں سے بچا کر آبادی سے لے آیا تھا اور جانوروں سے بچانے کے لئے اپنے پاؤں کو سانپ سے ڈسوایا تھا۔ اور اس اندیشہ کے غلط ہونے کا یقین اس کی زبان سے دلایا جا رہا تھا جو خود نہیں بولتا تھا بلکہ اس سے کہلوایا جاتا تھا۔ مگر استدلال صرف عقل نہیں تھا حقیقی بھی تھا۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا دشمن لوٹ آئے اور خالق کائنات نے روح کائنات کو گزند کائنات سے بچا لیا اور اس واقعہ کا بیان بڑے اہتمام سے یہ

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔

باہر والوں کا استدلال عقلی تو تھا لیکن حقیقت کے خلاف تھا غلط ثابت ہوا۔ اندر کا استدلال حقیقی تھا صحیح نکلا۔

اس استدلال میں کچھ دقیق نکات بھی ہیں۔ اول یہ کہ لا تحزن فرمایا اور حزن لفظ قرآن کریم میں جہاں استعمال ہوا وہاں مراد وہ غم ہوتا ہے جو کسی کے سبب سے ہو۔ ال مثلاً حضرت یعقوبؑ کو اپنے عزیز بیٹے کی وجہ سے جو غم ہوا

اور آپ کی آنکھیں بے نور ہوگئیں قرآن کریم نے اس کا بیان یوں فرمایا

وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم اسی لئے یہاں صدیق کو اندیشہ اس امر کا تھا کہ دشمن کہیں اس کے محبوب کو گزند نہ پہنچائیں جسے وہ دشمنوں سے بچا کے، نوکیلے پتھروں سے زخمی ہونے سے بچا کے اور کندھے پر اٹھا کے غار تک لایا ہے اور موذی جانوروں سے بچانے کے لئے اپنا لباس بلکہ اپنا جسم پیش کر دیا ہے کہیں دشمن اسے گرفت میں نہ لے لیں۔

۲۔ ان لا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین (بیٹے کے لئے حزن)

نکتہ۔ لا تخف ولا تحزن یا تو نبی پر یا کاملین پر بولا جاتا ہے عوام پر نہیں ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جسے گزند پہنچنے کا صدیق اکبر کو اندیشہ تھا اس کے متعلق معیت الٰہی کا یقین دلا دینا کافی تھا۔ اس لئے ان اللہ معی کہہ دیا جاتا تو مراد پوری ہو جاتی مگر یقین دلایا گیا کہ فکر کی بات نہیں اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ انسانیت کی حفاظت اور بقا کے لئے میرے بعد تیری ضرورت ہے لہٰذا اللہ ہم دونوں کو محفوظ رکھے گا۔

تیسری بات یہ ہے کہ معیت باری کا ذکر قرآن کریم میں ایک اور ایسے ہی نازک مقام پر آیا ہے جب حضرت موسیٰؑ اپنے بھائی کے ساتھ اپنی قوم لے کر مصر سے نکلے۔ فرعونی فوج نے تعاقب کیا۔ قوم دیکھ رہی تھی، سامنے سمندر ہے پیچھے مسلح فوج بچنے کی امید نہیں بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں تو حضرت سے شکایت کی، آپ نے جواب دیا۔ ان معی ربی سیھدین۔ میرا رب میرے ساتھ ہے وہی راہ پیدا

کرے گا۔ یہاں ضمیر واحد استعمال ہوئی ہے۔ کیونکہ موسیٰؑ اور ان کی قوم میں صفات کے اعتبار سے غیریت تھی۔ لیکن یہاں نبی رحمتؐ اور رفیق غار میں غیریت نہیں صفاتِ حقیقی میں اشتراک ہے ایک ہی مٹی سے پیدا ہوئے۔ ایک اصالۃ الکبریٰ بنا دوسرا اصالۃ العلین امر واقعہ بھی یہی ہے کہ کفار نے جتنا انعام نبی کریمؐ کا سراغ لگانے کے لئے مقرر کیا تھا اتنا ہی ابوبکر صدیق رضؓ کے لئے مقرر کیا تھا۔ وہ دشمن سہی لیکن اتنی عقل تھی نبی کریمؐ اور ابوبکرؓ کا مقام سمجھتے تھے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف ایک صفت ربوبیت کے اعتبار سے معیت کا بیان ہوا یہاں ذات کے اعتبار سے معیت کا بیان ہوا جو مجموعہ صفات ہے یعنی دشمن سے محفوظ رکھنا، محفوظ جگہ پر پہنچانا۔ قدرت عطا کرنا۔ دشمن پر غلبہ دینا اور اس دعوت کو تکمیل تک پہنچانا جسے ان دو میں سے ایک نے شروع کیا دوسرے نے اسے پروان چڑھایا۔

پانچویں بات یہ ہے مگر ہے ایسے فن کے متعلق جس کے سمجھنے تو کیا سننے کے بھی لوگ عادی نہیں ہیں۔ اور وہ ہے فن تصوف وسلوک کی بات۔ اس فن میں استاد اپنے شاگرد پر وہ رنگ چڑھاتا ہے جسے صبغۃ اللہ کہتے ہیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے لوہے کو مقناطیس بنایا جاتا ہے اس عمل کو MAGNATISE کرنا کہتے ہیں۔ تصوف میں اس عمل کا نام توجہ دینا ہے۔ طبیعات میں یہ عمل چار طریقوں سے ہوتا ہے۔ اول بجلی کی رو لوہے میں گزارنے سے فی الفور مقناطیس بن جاتا ہے دوسرا طریقہ SINGLE TOUCH سسٹم ایک طرف سے رگڑنے کا عمل۔ تیسرا طریقہ ڈبل ٹچ سسٹم سے مخالف سمت میں رگ...

اور چوتھا طریقہ INDUCTION ہے یعنی لوہے کا ٹکڑا مقناطیس کے پاس رکھ دو۔ پڑے پڑے مقناطیس بن جائے گا۔ تصوف میں یہی چار طریقے صبغۃ اللہ چڑھانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ واقعی ایسا ہوتا رہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی نگاہ میں وہ برقی قوت تھی جس پر پڑی اس پر یہ رنگ چڑھا دیا بشرطیکہ MAGNATIC SUBSTANCE ہو

قابلیت بھی شرط ہے ورنہ

قطرہ قطرہ گہر نہ ہو جائے

یہ ایک نگاہ لاکھوں کو بلاواسطہ اس رنگ میں رنگ گئی۔ بعد میں یہ قوت نہ کسی میں ہو سکتی تھی نہ ہوئی لہٰذا باقی تین طریقے استعمال ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں۔

اس قسم کا ایک واقعہ حضرت خواجہ باقی باللہ کا کتابوں میں ملتا ہے کہ ایک نانبائی سے خوش ہوئے پوچھا کیا چاہیئے کہا مجھے اپنے جیسا بنا دو فرمایا! تو نے اپنے ظرف کو بھی دیکھا ہوتا۔ وہ اصرار کرتا رہا۔ چنانچہ توجہ دی اور کچھ دیر بعد جو مراقبہ خانہ سے نکلے تو پہچاننا مشکل تھا کہ کون باقی باللہ ہے یعنی تھوڑے سے عرصے میں یہ رنگ صرف باطن پر ہی نہیں چڑھا۔ ظاہر بھی رنگا گیا

اللہ اللہ عشق کی نیرنگیاں

ان کی صورت میری صورت ہو گئی

تو جس شیخ کی توجہ باطنی پوری کائنات کے لئے کافی ہو اسے دو دن اور تین راتوں کے لئے آبادی سے دور تنہائی میں صرف ایک شخص کو توجہ دینے کے لیے مختص کر دیا گیا جب [illegible] کا یہ حال ہو کہ ان کی باطنی قوت یوں رنگ چڑھائے جو اوپر ذکر ہوا تو ایسے [illegible] کی قوت کا اندازہ کون کر سکتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ اس نابائی کے [illegible] استعداد نہ تھی کہ یہ دولت سنبھال سکے لہٰذا تین دن کے بعد مر گیا۔ مگر ابوبکرؓ کا قلب توجہ نبوی کا مرکز بنا رہا۔ واقعی امام الانبیاء کے عرفان کا متحمل افضل البشر بعد الانبیاء ہی ہو سکتا ہے۔

صوفیا میں سالک کی باطنی تربیت کے لئے توجہ دینے کا عمل بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ علماء کے نزدیک اس عمل کی ابتداء اس روز ہوئی جب صدیوں کے وقفہ کے بعد جبرئیل امین کامل ہدایت کا سامان لے کر غارِ حرا میں آئے اور ہادی برحق کو یہ امانت سونپتے ہوئے فرمایا۔ اقراء۔ تو حضورؐ نے فرمایا ما انا بقاری تو روح الامین نے حضورؐ کو گلے سے لگا کر بھینچا پھر کہا اقراء حضورؐ نے پھر وہی جواب دیا۔ جبرئیل امین نے اسی طرح دوبارہ بھینچا۔ تیسری بار یہی عمل ہوا۔ چوتھی بار کہا تو حضور پڑھنے لگے۔ علمائے ربانی کے نزدیک یہی واقعہ توجہ کی اصل ہے اس لئے صوفیا سالک کو تین بار توجہ دیتے ہیں پہلی توجہ سے سابقہ ماحول سے کٹ گیا۔ دوسری توجہ سے زمین قلب تیار ہوئی تیسری دفعہ توجہ سے کام شروع ہو گیا۔

پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
ہم بھی ہیں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

عمرہ کے علاوہ تین طواف کئے۔ عجیبات سے کہ حج کا موسم نہیں

گورے بھی ہیں اور کالے بھی. بوڑھے بھی ہیں اور جوان بھی، بچے بھی ہیں اور عورتیں بھی. بوڑھے اتنے عمر رسیدہ کہ کمر کمان کی مانند دہری ہے چھڑی کے سہارے چل رہے ہیں مگر دھیرے دھیرے طواف میں مصروف ہیں.

جوان ایسے کہ ان کی ہیئت کذائی مختلف مکاتب فکر و نظر کی نمائش کی کر رہی ہے بعض خوب چاک و چوبند ہیں، بعض دبلے پتلے بعض سادہ بعض فیشن گزیدہ، لمبی لمبی قلموں والے اور بے ہنگم بالوں والے بھی ہیں ایسے بھی ہیں جن کی قلموں اور ڈاڑھی کے بالوں میں حد فاصل کے طور پر ایک سینٹی میٹر کے قریب جگہ خالی ہے کیونکہ امریکہ میں ایک مخلوق نے یہی وضع اختیار کی ہے یعنی جو کام جوانوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کرنا قدامت پرستی نظر آتا تھا آج تقریباً وہی شکل بنانا امریکہ کی اتباع میں کرنا مہذب اور ترقی پسند ہونے کا مظاہرہ کرنے کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے. چند برس پہلے سر کے پورے بال رکھنا گویا اضحوکہ بننا تھا. آج یہی عمل جدت پسندی کا سرٹیفکیٹ ہے لیکن بالوں کا اس حد تک رہنا جو محمد رسول اللہ ؐ کو پسند تھا حضورؐ کی اتباع کا شبہ ہوتا تھا. لہٰذا اس حد کو توڑنا ضروری سمجھا اور سر کے بال اتنے بڑھائے کہ مرد اور عورت میں صرف پراندی کا فرق رہ گیا. خیر یہ تو ہوا سو ہوا اس وضع قطع کے لوگوں کا یہاں آکر بیت اللہ کے گرد گھومنا ایک معمہ ضرور ہے. اس کی توجیہات گو مختلف ہوں مگر ایک بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ یہ بیت اللہ کا مقناطیسی وصف ایسا ہے کہ جس دل کی گہرائیوں میں اور جس راکھ کے نیچے ایمان و محبت کی ذرا سی چنگاری موجود ہو. بیت اللہ کی کشش اسے کسی نہ کسی وقت کھینچ لاتی ہے

ممکن ہے اقبال نے کسی ایسے ہی منظر سے متاثر ہو کر کہا ہو:

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

بچوں کو دیکھئے پانچ چھ سال کے بچے طواف کر رہے ہیں۔ بعض نے احرام باندھا ہوا ہے۔ اور یہ بھی دیکھا کہ رات کے دو بجے ہیں مگر بچے طواف کر رہے ہیں اور ان کی اداؤں سے یہ محسوس نہیں ہوتا کہ انہیں بہ جبر والدین اپنے ساتھ گھسیٹ رہے ہیں بلکہ یوں لگتا ہے کہ بڑے شوق سے رات گئے۔ اللہ کے گھر کے گرد گھوم رہے ہیں۔

عورتیں بوڑھی ہیں اور جوان بھی۔ جوانوں میں پرانی وضع قطع کی مستورات بھی ہیں اور نئے فیشن کی مکشوفات بھی۔ تنگ لباس بھی ہے اور بیل باٹم پتلون بھی۔ ان کا یہاں ایک پتھر کی عمارت کے گرد ننگے پاؤں چکر لگانا کچھ یوں لگتا ہے جیسے تضاد کے بھنور میں پھنسی ہیں۔ فیشن کے جانوروں کی طرح کی آزادی کا شوق انہیں آوارگی کی طرف لے جانا چاہتا ہے اور ایمان کی شرافت پسندی انہیں اللہ کی اطاعت کی طرف دعوت دیتی ہے۔ اور یہ کبھی ادھر کبھی اُدھر یا کچھ ادھر سے لیا یا کچھ ادھر سے لیا اور ایک ملغوبہ سا تیار کرنے کی کوشش جیسا اکبر آلہ آبادی نے کہا ہے کہ:

نئی گانے کی عادت بھی ہے اور شوق عبادت بھی
نکلتی ہیں دعائیں ان کے منہ سے ٹھمریاں بن کر

یا ایک اور رنگ میں کہا:

مغربی شوق بھی ہے وضع کی پابندی بھی
اونٹ پر چڑھ کے تھیٹر کو چلے ہیں حضرت

مگر بیت اللہ کا اتنا لحاظ تو ضرور ہے کہ سروں پر دوپٹے کا سایہ موجود ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ سایہ سارے جسم پر پھیل جائے اور اس سے آگے بڑھ کر اس کے شریفانہ اثرات ان کے باطن کو بھی متاثر کر دیں اور یہ حقیقت ان کی سمجھ میں آجائے کہ :

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

یہ کہنا تو کسی طرح صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ ایسے جوانانِ ملت محض تفریح یا پکنک کے لیے یہاں آئے ہیں کیونکہ یہاں ضروریات اور تعیشات کی خرید و فروخت کے لئے کھلی مارکیٹ کے علاوہ کوئی اور کشش کا سامان نہیں، تھیٹر نہ کلب، سینما نہ بال روم، ڈانسنگ ہال نہ میوزکل کنسرٹ۔ بوٹنگ نہ سکیٹنگ۔ لہٰذا یہی کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ سراپا تکلفات کی تہذیب کے بوجھ تلے کراہ رہے ہیں اور اس سے نکلنے کا ایک بہانہ ملا کہ اللہ کے گھر چلو۔ شاید اللہ اپنے کرم سے وہی انسانی، بے تکلف، سادہ، آرام دہ اور پُرسکون زندگی بسر کرنے کی کوئی راہ نکال دے :

ہمارے دن گذشتہ پھر ہمیں یا رب دکھا دینا
سنا ہے تیری قدرت سے گئے دن پھر بھی آتے ہیں

ایک اور چیز محسوس ہوئی کہ حج کے ایام نہیں لیکن لوگوں کی بھیڑ قریباً اسی طرح

ہے۔ جہری نمازوں میں حرم کا غیر مسقف حصّہ تو بالکل پر ہوتا ہے اور گیلریوں میں بھی کافی صفیں ہوتی ہیں یعنی خلیل اللہ نے جس گھر کی آبادی کے لئے دعا کی تھی وہ کچھ اس طرح قبول ہوئی کہ یہ گھر صرف چند دنوں کے لئے آباد نہ رہے۔ بلکہ یہاں ہمیشہ گہما گہمی رہے۔ لہٰذا سارا سال ہی یہاں آنے جانے والوں کا تانتا رہتا ہے۔

ایک اور چیز نوٹ کی کہ سکولوں اور کالجوں کے طلبہ پچھلے پہر کتابوں کا بستہ اور ایک جائے نماز بغل میں دبائے حرم میں آجاتے ہیں کوئی یہاں بیٹھا ہے۔ کوئی وہاں اور لکھائی پڑھائی میں مصروف ہیں۔ کوئی الجبرا کے سوال حل کر رہا ہے کوئی ٹرگنومیٹری کی مشقیں کر رہا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے سکول یا کالج ہے۔ جو گھر کا کام ملا ہے وہ یہیں بیٹھ کر کرتے ہیں نماز کا وقت آیا۔ جائے نماز بچھائی نماز پڑھی اور لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ کتنے خوش قسمت ہیں یہ بچے! ہمارے ہاں تو طلبہ کو فارغ اوقات میں جن مشغلوں میں مگن پایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ دشمن کو بھی وہ منظر نہ دکھائے۔

آج ایک اور منظر دیکھنے میں آیا۔ بیت اللہ کی چھت کی مرمت ہو رہی ہے اس لئے دروازہ کھلتا ہے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کے گھسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گھسنے کا لفظ اس لئے استعمال کر رہا ہوں کہ اندر داخل ہونے یا حاضری دینے کے ڈھنگ اور ہوتے ہیں۔ لوگ جس طرح یہاں بیت اللہ کے اندر جا رہے ہیں اسے گھسنے کے لفظ سے تعبیر کرنا بڑی رعایت ہے اس کے لئے تو اس سے بھی زیادہ موزوں اور ثقیل لفظ استعمال ہونا چاہیئے۔

بہرحال اس دوران دیکھا کہ ایک نوجوان جو شکل وصورت سے ہمارے ملک کا ہی نظر آتا تھا پینٹ پہن رکھی تھی۔ جو بیل باٹم طرز کی تھی جیسے اس کے بدن پر کپڑا رکھ کر درزی نے سی دیا ہو پھر اس پر تیتر، بٹیر اور گل بوٹے بھی بنے ہوئے تھے۔ وہ باب کعبہ کی طرف لپکا۔ اچھل کر پردے کی رسی کو تھاما اور اوپر لٹکنے لگا۔ پولیس کے سپاہی جھپٹ پڑے کسی نے ٹانگوں سے پکڑ کے نیچے کھینچا، کسی نے اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی کرنے کی کوشش کی کسی نے اس پہ کوڑے برسانے شروع کر دیئے کچھ دیر تک وہ سب کا مقابلہ کرتا رہا مگر تا بہ کے۔ آخر گرفت ڈھیلی ہوئی اور دھڑام سے نیچے گر پڑا میں اس سوچ میں محو ہو گیا کہ اس نوجوان کو کس جذبے نے کس طاقت نے اتنی جرأت کرنے اور اتنی تکلیف سہنے پر مجبور کیا۔ اگر اس ہیئت کذائی کا نوجوان سینما کے ٹکٹ کے لئے کھڑکی کے سامنے یہی منظر پیش کرتا تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی کیونکہ ایسے منظر سینما کے سامنے تو روزانہ دیکھنے میں آتے ہیں مگر کعبہ کے پردوں کے ساتھ لٹک کر کعبہ کے اندر داخل ہونے کے لئے اتنی اور ایسی جدوجہد کرنا بالکل غیر متوقع ہے کیا اسے جذبہ عجوبہ پسندی وہاں لے گیا کہ دیکھے جس گھر کے گرد کروڑوں آدمی چکر لگاتے ہیں اور صدیوں سے یہ عمل جاری ہے اس گھر کے اندر کون سی دولت رکھی ہے۔

یا اسے جذبہ محبت مجبور کر رہا ہو۔ کہ گھر کو دیکھا ذرا اندر جا کر گھر والے کو بھی دیکھ لے۔ مگر کیا اسے معلوم نہیں تھا کہ گھر والا اندر ہی نہیں باہر بھی ہے مگر دیکھنے والی آنکھیں بھی تو ہوں جب باہر نہیں دیکھ سکتے تو اندر کیسے دیکھیں گے۔ اسے بتانا چاہو تو اعلان ہو رہا ہے ھوالظاہر اور ظاہر بھی ایسا ہو کہ:

جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

اور پوشیدہ ایسا کہ ھوالباطن. جتنا کھوج لگاؤ اس کی کنہہ نہ معلوم ہو سکے. ایسا ظاہر اور اتنا پوشیدہ. یہی تو مقام تقدیس ہے بات یہ ہے کہ چیز صرف محبت ہی ہے محبت جذبہ بھی ہے. نشہ بھی ہے. قوت بھی ہے جہاں ہو رنگ لاتی ہے یہ اور بات ہے کہ محبوب کے تعین میں اختلاف ہوتا ہے اور اس اختلاف محبوب سے حالات بدل جاتے ہیں. فیشن کی محبت ہو تو آدمی بھالو بننا بھی پسند کرتا ہے اسے مطلقاً پرواہ نہیں ہوتی کہ اس پر ہزاروں انگلیاں اٹھ رہی ہیں اسے جگ ہنسائی کا خیال نہیں آتا. اسے اپنا آرام تک بھول جاتا ہے.

دولت کی محبت ہو تو آدمی حلال و حرام کی حدود ہی مٹا کر رکھ دیتا ہے اور اس نشے میں وہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ:

چمڑی جائے دمڑی نہ جائے

اقتدار کی محبت ہو تو وہ اپنے بھائیوں بلکہ اپنے باپ کو بھی راستے سے ہٹا دیتا ہے. دیانت، امانت، انسانیت و شرافت کے الفاظ اس کی لغت سے خارج ہو جاتے ہیں اور

جسے یہ حقیقت بتا دی جائے کہ والذین امنوا اشد حبا للہ، تو وہ اس نشے میں اپنے آپ کو، اپنے آرام کو اور اپنی پسند کو تج دیتا ہے. اس پر پتھر برسائے جاتے ہیں، جسم لہولہان ہو جاتا ہے تو کہتا ہے

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

اسکے قتل کے منصوبے بنائے جاتے ہیں اسے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا جاتا

ہے۔ اس کا تعاقب کیا جاتا ہے اس کے دانت شہید کر دیئے جاتے ہیں۔ اس پر چڑھائی کر دی جاتی ہے اسے تنگ کیا جاتا ہے اس سے جنگ کی جاتی ہے۔ مگر جب ایسا وقت آتا ہے کہ ستانے والے لوگ بے بس ہو کر مجرم کی حیثیت سے اس کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو وہ کہتا ہے۔ لاتثریب علیکم الیوم کیوں اسے رنج نہیں ہوتا؟ کیا ٹیس نہیں اٹھتی۔ کیا درد نہیں ہوتا کیا غصہ نہیں آتا کیا انتقام نہیں لینا چاہتا۔ نہیں وہ کچھ بھی نہیں کرتا کیونکہ محبت کہلواتی ہے:

ہر چہ از دوست می رسد نیکو ست

اور جسے اس ہستی سے محبت ہو جاتی ہے جس نے یہ حقیقت سمجھائی کہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ محبت کا راگ الاپتا ہے تو پٹائی ہوتی ہے جسم چور چور ہو جاتا ہے مگر دوسرے روز پھر ایسا کرنے کی اجازت طلب کرتا ہے کیونکہ اسے پٹنے میں لطف آیا تھا اسے سولی پر لٹکایا جاتا ہے اور لٹکانے والا کہتا ہے۔ کہ اب تو تم چاہتے ہو گے کہ تمہاری جگہ تمہارا محبوب سولی پر لٹک رہا ہوتا وہ جواب دیتا ہے کہ محبوب پر ایسی ہزار جانیں فدا۔ مگر یہ گوارا نہیں کہ محبوب کے پاؤں کے تلوے میں کانٹا بھی چبھ جائے۔

اسے ذبح کرنے لگتے ہیں اور محبوب کے سامنے یہ منظر ہوتا ہے تو محبوب کہتا ہے اصبروا یا آل یاسر تو مسکراتے ہوئے جان دے دیتا ہے۔ غرض حقیقی طاقت تو محبت ہی ہے؛

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے

حرم میں جہاں فرش نہیں لگا وہاں ہر وقت کبوتروں کے جھنڈ کے جھنڈ نظر آتے ہیں۔ آزادی سے پھرتے ہیں دانے چگتے ہیں۔ لوگ آتے ہیں دانے بکھیر دیتے ہیں۔ کبوتر ان سے نہ ڈرتے ہیں نہ بھاگتے ہیں۔ مزے سے چگتے رہتے ہیں کوئی انہیں چھیڑتا نہیں کوئی ان کا شکار نہیں کرتا۔ کوئی انہیں گزند نہیں پہنچاتا بلکہ ان کے شغل میں کوئی حائل ہی نہیں ہوتا۔ وہ اپنے آپ کو ہر طرح محفوظ سمجھتے ہیں۔ کیا خلیل اللہ کی دعا ان پر بھی محیط ہے کہ

وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ۔ ہاں کچھ ایسا ہی محسوس ہوتا ہے مگر یہ امن یہ حفاظت کس کارنامے کا صلہ ہے۔ کبوترو! تم کتنے خوش قسمت ہو۔ تمہاری نسل کے ایک جوڑے نے چودہ صدیاں پیشتر ایک روز محبوبِ کائنات کی حفاظت کے لئے اس کے دروازے پر انڈے دیئے تھے۔ اس کا صلہ۔ اس کی کریمی کا نتیجہ اس کی قدر شناسی کا ثبوت، اس کی سخاوت کا ثمرہ قیامت تک تمہاری نسل کو ملتا رہے گا۔ اس کے آبائی وطن میں رہو۔ آزادی سے رہو۔ مزے کرو۔

اس کے خالق نے اس کا صلہ تمہیں یوں دیا کہ روزی کا فکر نہ جان کا خطرہ۔

نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ

فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

چھٹا عمرہ

آج چھٹا عمرہ کیا۔ خالق انسان نے انسان کی نفسیات اور اس کی فطرت اس کے جذبات اور احساسات کا ذکر کچھ اس انداز سے فرمایا جیسے وہ فطری چیز ہے ہاں! اسے فطری حدود کے اندر ہی رہنا تو معیوب نہیں۔

زین للناس حب الشہوات من النساء والبنین۔ الخ

ہاں جب ان حدود سے تجاوز کر کے اس تعلق پر غالب آجائے جو تعلق انسان کا اپنے خالق سے ہے تو یہی چیز غیر فطری اور معیوب بن جاتی ہے اولاد سے اس تعلق کے حقوق کی ادائیگی کی پسندیدہ شکل یہی ہے کہ ان کے حق میں ایسی کوشش تربیت اور آرزو رکھی جائے جو ان کی آخرت کو بہتر بنانے کا ذریعہ ہو لہٰذا آج کا عمرہ اپنے بچوں یعنی شریفین، مشتاقین، قیومین، اور سعیدین کے لئے کیا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اور ان کی آخرت سنوار دے۔

اوران کی دینوی زندگی اس انداز سے گزرے کہ آخرت کے لئے ذخیرہ بنتی چلی جائے۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار

ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما،

آج طواف کے دوران دیکھا کہ بیت اللہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اندر مرمت کا کام ہو رہا ہے ساتھیوں نے بتایا کہ کل بھی ہم میں سے کچھ افراد اندر داخل ہوئے تھے آج پھر کوشش کرنی چاہیئے۔ اور حضرت استاد مکرم مدظلہ سے عرض کیا کہ آپ بھی چلیں۔ حضرت نے ایک نگاہ باب کعبہ کی جانب اٹھائی کچھ سوچا اور پھر طواف میں مصروف ہو گئے اس ادا کا یہی مطلب سمجھا گیا اور سمجھا جانا چاہیئے تھا کہ حضرت کی خواہش ہے مگر یہ خواہش پوری کیسے ہو ایک انجینئر ساتھی نے اس انجینئر سے بات کی جو اندر مرمت کے کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس نے اجازت دے دی مگر وہ تو اندر تھا۔ ہمارے ساتھی حضرت کے پاس آئے کہ چلیں اجازت مل گئی ہے لیکن اس انجینئر اور ہمارے درمیان ایک انسانی ہجوم حائل تھا جو یہی آرزو لئے موقع کی تلاش میں تھا اور پولیس کے سپاہی ان کے ارادے میں حائل ہو رہے تھے۔ چنانچہ ہم آگے بڑھے لیکن پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے حضرت استاد مکرم چپکے سے پلٹ کر ماذنہ کے قریب آ کر بیٹھ گئے کچھ ساتھی جوان اور باہمت تھے۔ بیت میں داخل ہو گئے جو بوڑھے، کمزور اور بے ہمت تھے۔ حضرت کے پاس بیٹھے یہ منظر دیکھتے رہے۔

مدت سے لگ رہی تھی لب بام ٹکٹکی
تھک تھک کے گر پڑی نگہ انتظار آج

سوچنے لگے کیا ان کی محبت کامل تھی کہ اللہ کے گھر میں داخل ہو گئے اور ہم خام ہیں کہ بار نہیں پا سکے مگر ہم میں تو حضرت استاد مکرم بھی ہیں جنہوں نے ہم سب کو محبت کا سلیقہ سکھایا اور ہم کہنے لگے۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی
مرا باجان جاں ہمراز کردی

تو کیا ان کی محبت بھی خام ہے؟ نہیں بلکہ معاملہ یہ ہے کہ:

دل محیط گریہ ولب آشنائے خندہ ہے

لہٰذا ان کی کیفیت یہ ہے کہ:

باچنیں زور جنوں پاس گریباں داشتم
در جنوں از خود نرفتن کار ہر دیوانہ نیست

یوں لگتا ہے جیسے آپ سوچ رہے ہوں، اللہ کے گھر میں داخل ہونے کے آداب ہیں مسجد میں داخل ہونے کے لئے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ نہایت عاجزی سے کہو اللّٰھم افتح لنا ابواب رحمتک پھر سر جھکا کے دایاں پاؤں اندر رکھو۔ تم اندر داخل ہونے لگے ہو خشوع و خضوع کا سامان لے کے جاؤ۔ ورنہ تو خالی ہا... جاؤ گے مگر کیا خبر رحمت کا دروازہ کھلے یا نہ کھلے

... ب یہ سکھایا گیا ہے کہ:

فان قیل لکم ارجعو فارجعوا ھو ازکی لکم۔

گو یہ اللہ کا گھر ہے۔ ان لوگوں کا گھر نہیں۔ مگر یہ لوگ اس گھر کے بواب ہیں مجاور ہیں اس لئے ان کی اجازت نہیں ہوئی تو داخل ہونے سے کیا مالک خوش ہو گا یہ صورت نہ عاجزی کی ہے نہ خشوع و خضوع کی۔ نہ استیذان ہے نہ استیناس ہے نہ آداب کا لحاظ ہے نہ سلیقہ ہے اندیشہ ہے کہ کہیں توہین نہ سمجھی جائے۔

اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنا۔

عام حالات میں ہم دیکھتے ہیں کہ کسی کے گھر کوئی اس طرح داخل ہو جیسے گھسنا، کہا جاتا ہے تو مالک اسے ہرگز پسند نہیں کرتا۔

بہر صورت حضرت استاد مکرم کے ساتھ بوڑھے اور بے ہمت ساتھیوں کا حسرت سے دیکھنا کسی قدر شاق تو گزرا مگر حضرت کی موجودگی ان کے زخمی دلوں کے لئے مرہم کا کام کر گئی اور زبانِ حال سے کہنے لگے:

تیرا آستاں جو نہ مل سکا تیری رہگذر پہ جبیں سہی
ہمیں سجدہ کرنے سے کام ہے جو وہاں نہیں تو یہیں سہی

محرومی کی صورت میں ایسی تاویلوں سے دل بہلانا ایک نفسیاتی حقیقت ہے۔ مگر سہلائے بغیر چارہ نہیں۔

اے ربِ کعبہ جس طرح آج یہ جسم تیری عنایت سے تیرے گھر میں داخل ہو گیا ہے اسی طرح اس جسم کے اندر جو روح ہے اسے اپنی محبت اور رضا کے ماحول میں داخل فرما دیا۔ جس طرح اس جسم کو صورت کعبہ کے اندر حاضر ہونے کی صورت تو نے پیدا فرمائی اسی طرح اس روح کو حقیقت کعبہ کی برکات سے مالا مال کر دے۔

یقین ہے کہ جو جیب ظرف لے گیا ہوگا خالی نہیں لوٹا ہوگا جب اس کے دروازے سے کوئی سائل محروم نہیں لوٹتا تو اس کے گھر سے خالی کیسے آئے گا:

طوافِ کعبہ زوی گرد دیر گردیدی
نگاہ بخویش نہ پیچیدۂ دریغ از تو

البتہ اتنا ضرور ہے کہ ہمارے ذہن اس قدر ظاہر پسند اور ظاہر پرست واقع ہوئے ہیں کہ حقائق کے متعلق سوچنا بھی مفقود ہوگیا ہے یہ وصف جب عبادات اور دوسرے دینی امور میں اپنا اثر دکھاتا ہے تو عجیب نقشے بنتے ہیں مثلاً کسی کے نزدیک تقویٰ کا معیار یہ ہے کہ بس لباس کو دیکھیں گے اگر غلطی سے یا بے خیالی میں ازار پنڈلی سے ذرا نیچے ہوگئی تو جھٹ تارکِ سنت کا فتویٰ دے دیں گے۔ کسی نے قبرستان سے گزرتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھ دی تو تقویٰ ہی مجروح نہیں ہوا بلکہ مشرک کہلایا۔ کسی نے اذان سنتے ہوئے انگوٹھے چوم لیے تو عاشقِ رسول بلکہ فنا فی الرسول سمجھا جانے لگا۔ خواہ وہ نماز کے قریب بھی نہ جاتے اور حرام کی روزی کو شیرِ مادر سمجھے۔ کسی نے چلا چلا کے درود پڑھا تو وہ غوث زماں اور قطبِ دوراں بن گیا اور کسی نے سمجھانے کی کوشش کی اور بتایا کہ بھئی جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جسمِ اطہر کے ساتھ اس دنیا میں ظاہری آنکھوں کے سامنے تھے، اس وقت آپ گھر کے اندر تشریف فرما ہوتے اور باہر سے کوئی شخص اونچی آواز سے پکارتا تو اللہ کو ایسا ناپسند ہوتا کہ مستقل طور پر ایک ہدایت جاری فرما دی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان صرف ایک دیوار ہے اور باہر سے بلند آواز سے پکارنے والے کو اللہ تعالیٰ نے بے وقوف قرار دیا۔ اس لیے اس وقت اتنی دور سے یہ چیخ چیخ کر پکارنے والا کہاں کا عقل مند کیسا متقی اور محب رسول ہے تو جھٹ کہا جائے گا یہ گستاخ رسول ہیں۔ یہ دشمن رسول ہیں۔ بس عموماً یہی حال ہے کہ چند ظاہری حرکات کے ذریعے تقویٰ کی پیمائش ہوتی ہے ایمان کو ناپا جاتا ہے۔ اور محبت کا درجہ دیکھا جاتا ہے اور اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ فرائض کی ادائیگی میں کتنی مستعدی یا غفلت ہے۔ حلال و حرام میں تمیز ہے یا نہیں، معاملات کیسے ہیں، اخلاق کس قسم کے ہیں۔ کاش کوئی اتنی زحمت گوارا کرے پیچھے مڑ کر دیکھے کہ صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر اللہ اور رسول سے محبت کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں مل سکتی اور نبی کریمؐ دین کو مکمل کر کے اس دنیا سے رخصت ہوئے تو یہ نئے نئے معیار تجویز کرنے والے حضرات یہ تو سوچیں کہ جو باتیں صحابہ کو نہیں سوجھیں ہیں کیا یہ لوگ صحابہ سے بھی بڑھ کر حضور سے محبت کا خیال بھی ذہن میں لا سکتے ہیں پھر یہ سوچیں کہ کیا نبی کریمؐ معاذ اللہ کمی چھوڑ گئے جو یہ لوگ پوری کر رہے ہیں۔

خوشا کسے کہ حرم را درون سینہ شناخت
دمے تپید و گذشت، از مقام گفت و شنید

آج بلدہ طیبہ سے رخصت ہونے کا پروگرام ہے۔ صبح طواف وداع کیا۔ اس کی کیفیت دوسرے طوافوں سے مختلف تھی۔ قدم قدم پر جدائی کا احساس ہو رہا تھا ساتھ ہی ساتھ دل کی گہرائیوں سے ایک آرزو ابھرتی اور

دعا ین کر لب پہ آجاتی تھی کہ یہ حاضری بار بار نصیب ہو۔

گو اصل دوری تو دل کی دوری ہے مگر اس عالم آب و گل میں قرب و بعد کے جو پیمانے موجود ہیں ان کے اثرات سے مفر نہیں اس لئے بار بار یہ درخواست زبان پر آجاتی رہی کہ

اللھم ارزقنا زیارۃ الحرمین فی کل عام

تعلقات محبت میں جو واردات اور کیفیات تجربے میں آتی ہیں انہیں کچھ اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد
ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

اس کے باوجود وداع کے اثرات وقتی طور پر اتنے شدید ہوتے ہیں کہ مستقبل کی توقعات دب کے رہ جاتی ہیں۔

بگزار تا بگریم چوں ابر نوبہاراں
کز سنگ نالہ خیزد وقت وداع یاراں

تمت

ملنے کا پتہ : مدنی کتب خانہ گنپت روڈ، لاہور نمبر ۲